اُردوئے قدیم

حکیم سیّد شمس اللہ قادری

مطبع۔ ری پبلیکا پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر۔ سلطان حسین اینڈ سنز کراچی
قیمت پانچ روپے
دوسری بار سنہ ۱۹۶۳ء

پبلشر

جنرل پبلشنگ ہاؤس برنس روڈ، کراچی

ٹیلی فون نمبر ۷۵۴۰۰

زبان اُردو اور اس کی نظم و نثر کی مفصل
تاریخ عہد بہ عہد ترقیوں کا تذکرہ، ابتدائی
زمانے سے بارہویں صدی ہجری کے
نصف اول تک مذکور ہے اور اس کے
ضمن میں قدیم شعرا اور مُصنّفین کے صحیح و
معتبر حالات تحریر ہیں۔

اُردوئے قدیم

تاریخ زبان اُردو

نمبر شمار		صفحہ

شعرائے دکن

مغلوں کے عہدِ حکومت میں

شعرائے اُردو کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی ہجری کے آخر ایام سے شروع ہوئی ہے اور اس وقت سے بیس پچیس سال پیشتر تک ستر اسی تذکرے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے جب کہ ہندوستان کے دارالسلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا۔ اور اس سے پہلے جو شعرا سرزمین دکن میں گذرے ہیں اُن کے حالات نظر انداز کر دیئے ہیں۔ اس فروگذاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شعرا کے حالات ناپید ہوگئے اور تاریخ اُردو کا دورِ قدیم پردۂ خفا میں مستور ہوگیا۔

آج سے کم و بیش بیس سال پہلے جب اُردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اُس کے ضمن میں اُردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آگئی۔ حامیانِ اُردو نے ان مباحث پر جو مضامین شائع کئے ان میں دورِ قدیم بالکل مفقود نظر آیا۔ اس کمی کو محسوس کرکے ہم نے سنہ ۱۹۱ء میں ایک مضمون "قدیم شعرائے اردو" کے عنوان سے لکھا اور اُس میں اُن اُردو شعرا کے حالات اور اُن کی زبان کے نمونے درج کئے جو دہلی میں ریختہ شاعری کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گذرے تھے۔[1]

---

[1] یہ مضمون سنہ ۱۹۱۰ء میں لسان العصر لکھنؤ کے چار نمبروں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں عادل شاہی قطب شاہی اور مغلیہ عہد کے دس شعرا کا تذکرہ ہے۔

یہ مضمون اگرچہ مختصر اور نامکمل تھا۔ مگر پھر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور مولانا حالی اور علامہ شبلی جیسے مشاہیر علما نے اُسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمّت بڑھ گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا لیکن بعض دُوسرے اُمور اور اتفاقی موانعات کے باعث اس کی ترتیب وتدوین نہ ہوسکی! اور اسی طرح ایک مدّت گزر گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہوگیا۔ دسمبر میں ہمارے دوست مدیر تاج نے اس کے مکمّل کرنے کی فرمائش کی۔ اسی اثناء میں دار المصنّفین کی جانب سے مولانا عبدالحی مرحوم کا تذکرہ گل رعنا شائع ہوا۔ اس میں ایک مستقل باب شعراء دکن کا نظر آیا۔ لیکن اُسے ہم نے ناقص ونامکمّل پایا جس کے باعث اس مضمون کو مکمّل کرنے کی مزید تحریک ہوگئی جو کچھ ذخیرہ جمع تھا اُسے مرتّب و مدوّن کرنا شروع کیا۔ دو مہینے کی قلیل مدّت میں ایک مستقل کتاب تیار ہوگئی جسے ۱۹۲۵ء کے اوائل میں مدیر تاج نے متعدد نمبر کے ذریعہ چھاپ کر شایع کردیا۔

اس اشاعت میں اگرچہ سابقہ اشاعت سے چوگنے معلومات زیادہ تھے۔ تاہم اس میں اضافہ کی بہت گنجائش باقی تھی۔ کیوں کہ بعض شعراء اور نثر نگاروں کے حالات ہم نے دانستہ قلم انداز کردیئے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان میں سے بعض کا عہد محتاج تصدیق تھا۔ بعض کی جو تصنیفات دستیاب ہوئے تھے۔ اُن کے ابتدائی یا آخری اجزا ناقص و ناتمام تھے۔ اور اس کی

وجہ سے تحقیقات کا ذریعہ مفقود ہو گیا تھا۔

سنہ ۱۹۲۷ء کے اخیر ہفتہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ہمیں مدراس جانے کا اتفاق ہوا اور کانفرنس کے ایما سے ملیبار کے تاریخی حالات مرتب و مدوّن کرنے کے لئے قریباً چار مہینے مدراس میں مقیم رہنا پڑا۔ اس دوران میں جنوب کے اکثر مقامات کی سیاحت کا موقع مل گیا۔ جہاں خوش قسمتی سے دکنی تصنیفات کے اکثر نسخے مکمّل حالت میں دستیاب ہوئے اور اُن کے مطالعہ سے بہت سی نئی باتیں معرض تحقیق میں آئیں جن کو اس اشاعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور اُمید ہے کہ یہ اشاعت سابقہ اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ مکمّل اور بہتر ثابت ہوگی۔

اُردوئے قدیم پر نظر ثانی کرنے کے لئے باعث تحریک یہ امر ہوا کہ بزمانۂ قیام مدراس وہاں کی اُردو سوسائٹی نے ۲۳ و ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء کو ادبیات اُردو کی ابتدائی تاریخ پر ہمارے دو لکچروں کا انتظام کیا[1]۔ اور اس کی تیاری میں ہم نے جو یادداشت فراہم کئے تھے وہ سب "اُردوئے قدیم" کی نظر ثانی میں کام آ گئے۔

اُردوئے قدیم کی تالیف و ترتیب میں ادب اور تاریخ و تراجم کی کثیر التعداد کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور ضخیم ضخیم کتب مطالعہ کرنے کے بعد

---

[1] یہ لکچر مدراس کے رسالہ سفینہ بابت اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء و جنوری سنہ ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔

ان منتشر اور پراگندہ معلومات کو فراہم کیا ہے۔ اور جو بات جس کتاب سے ماخوذ ہی اُس کی صراحت اُسی موقع پر کردی گئی ہے۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے کل کتابوں کی ایک مفصل فہرست کتابیات کے عنوان سے آخر میں لگادی گئی ہو تاکہ ناظرین کو ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ اس کے ماخذات میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں۔ اور اُن کی کن اشاعتوں سے اس میں کام لیا گیا ہے تاکہ بوقت ضرورت اصل کی جانب رُجوع ہونے کے لئے کسی قسم کی دِقّت و دُشواری باقی نہ رہے۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء میں پروفیسر بلیوم ہارٹ نے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے اُردو مخطوطات کی توضیحی فہرستیں شائع کیں تو ہمیں توقع ہوئی کہ اُن کی وجہ سے قدیم اُردو تصنیفات کے متعلق ہماری معلومات میں بعض نئی باتوں کا ضرور اضافہ ہو جائے گا اور اُردوے قدیم پر نظرثانی کرنے میں ان سے تھوڑی بہت مدد ضرور ملے گی۔ لیکن ان کتابوں کے دیکھنے کا جب اتفاق ہوا تو معلوم ہوگیا کہ ان میں دکنی ادب کی زیادہ تر اُن ہی کتابوں کا ذکر ہے جن سے ادب اُردو کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے مدّت سے واقف ہیں اور اُن میں سے اکثر کتابوں کا تذکرہ اُردوے قدیم میں آچکا ہے۔

حکیم سیّد شمس اللہ قادری

حیدر آباد دکن

۲۷ جون ۱۹۲۹ء

تاریخ زبانِ اُردو

(۱)

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرت کا رواج۔ آریاؤں کی مقدّس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے انحطاط ہو گیا تھا اور اس کی بجائے مُلک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروّج ہو گئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہُوا ہے۔ اس کا سُراغ لگانا دشوار ہے۔ لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سال پہلے پَراکرت زبانوں کو رواجِ عام حاصل ہو گیا تھا۔ بدھ اور جین مت کی[1] مذہبی زبان پَراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا ہے[2] تو اُس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ[3] اشوک کے کتبے پَراکرت میں کندہ ہوئے تھے۔

مشہور پراکرت پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہُوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پَراکرت بولی جاتی تھیں لیکن ان میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

۱۔ **پالی**۔ یہ زبان مگدھ میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی اِس

---

[1] بدھ اور جین مذہب کے بانی مہابیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گزرے ہیں۔

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۷ ق ع اور ۳۲۵ ق ع کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق ع سے ۲۳۱ ق ع تک حکومت کی ہے۔

میں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جس کے باعث وہ سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

۲۔ **جینا پراکرت**۔ اس کی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جس میں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھی گئی تھیں۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

۳۔ **مہاراشٹری**۔ یہ زبان مہاراشٹر میں (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مُروّج تھی اور آرین و پارتھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

۴۔ **سوراسینی**۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

۵۔ **مگدھی** زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اس کا رواج تھا، پراکرت۔ آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیرّ سے بنی تھیں۔

ان کے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروّج تھیں۔ مثلاً تلنگی، کنڑی، ٹامل، ولیالم، وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسینی یا برج بھاشا۔ سوراسینی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے۔ بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ

حاصل ہو گیا تھا۔ وراروچی نے جو راجہ وکرمادیتہ[1] کا درباری عالم تھا۔ گرامر (صرف و نحو) کو مدوّن کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی۔

اُردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے۔ زمانۂ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زبانِ اُردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے اور اُس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اُردو میں مستعمل ہیں وراروچی نے انھیں اپنی گرامر میں بجنسہ بیان کیا ہے[3]۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہُوا، جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جس کے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبانِ اُردو کے نام سے موسوم ہوئی۔

لفظ اُردو کی تحقیق۔ اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکر گاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمّہ بہ ایوانِ تو خورشید منوّر
یک خیمہ در اُردوئے تو گردون معلّٰی

---

[1] راجہ وکرمادیتہ اوجین کا راجہ ہے۔ مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیح سے ۵۶ سال پہلے اس نے باختر پہ حملہ کیا ہے۔

[2] وراروچی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاویل نے ۱۸۶۸ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے

[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اوّل فقرہ نہم و فصل دوم فقرہ چہل و چہارم۔

امیر علاء الدین جوینی کی تاریخ جہاں کشا اور وزیر رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خاں اور اُس کی اولاد کے زمانہ میں مغل بادشاہوں اور بادشاہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکر گاہوں کو اُردو کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا مستقر حکومت بھی اردو کہلاتا تھا اور قراقرم کا قدیم نام اُردو بالیغ تھا۔[۱]

چنگیز خاں کے فرزند جوجی خاں کی اولاد نے دشت قبچاق اور روس بلغار میں ایک وسیع حکومت قائم کرلی تھی۔ اس کے حکمراں جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زرّیں خیموں میں قیام کرتے تھے۔ جس کے باعث اُن کی لشکر گاہیں اردوئے مطلا GOLDEN HORDE کہلاتی تھیں اور خود اُنھیں خوانین اردوئے مُطلّا کے لقب سے شہرت ہوگئی تھی۔[۲]

(خروج چنگیز خاں کے بعد سلطان شمس الدین ایلتمش کے زمانہ سے سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت تک مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم وبیش سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطہ اُن کی تاخت وتاز کا

لہ تاریخ جہانکشا جلد اول صنہ ۴۰ صنہ ۱۹۹ صنہ ۲۰۰ جامع التواریخ جلد دوم صنہ ۷ صنہ ۱۲ صنہ ۲۵

سلہ خوانین اردوئے مطلا ۶۲۱ھ سے ۹۰۶ھ تک برسرِ حکومت رہے ہیں۔ ان کی تین شاخیں تھیں (۱) خاندان باتو خاں، انکا دار الحکومت سرائے۔ دریائے والگا پر آباد تھا (۲) خاندان تغاتیمور اِبتدا میں انکی حکومت تھی، قازان مستقر تھا (۳) خاندانی شیبانی۔ انکو ازبک بھی کہتے ہیں۔ ابتداً کرغیز میں انکی حکومت تھی پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسرِ حکومت ہوگئے تھے شرف الدین علی یزدی کے ظفر نامہ پر مرزا شاہرخ نے جو مقدمہ لکھوایا ہے اُس میں اس خاندان کے مفصل حالات ہیں۔ اور غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر میں اُن کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ دیکھو جلد سوم جزو اوّل صنہ ۴۳

جلال گاہ بنا رہا۔ اسی زمانہ سے ہندوستان میں لفظ اُردو کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکر گاہ کو اُردو کہنے لگے۔ قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری جو ۶۵۸ھ میں بعہدِ سلطان ناصر الدین محمود تصنیف ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اہلِ ہند مغلوں کے لشکر گاہ کو اردو کہا کرتے تھے۔

چوں ملک اعظم الغ خاں لشکر ہا بطرف ناگور بردہ یا
ملک شیر خاں ایشاں را کا وحت رفت در حوالی سندھ
ملک شیر خاں از انجا عزیمت ترکستان اردو بطرف اُردوے
مغل رفت و بدرگاہ منکو خاں پیوست [1]

شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی تیموری حملے سے کچھ عرصہ پہلے ۸۰۱ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے۔ اس میں بھی لفظ اُردو آیا ہے اور مصنف نے اُسے فیروز شاہی لشکر گاہ کے متعلق استعمال کیا ہے [2]

شہنشاہ بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان فتح کیا۔ دہلی اور آگرے کی تسخیر کے بعد ۹۳۳ھ میں جو فتح نامے اطراف و اکناف میں روانہ کئے اُن میں اپنے لشکر کو اردوئے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ [3]

سلاطین تیموریہ کے درباری مورخ جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں گزرے ہیں لفظ اُردو کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ [4]

---

[1] طبقات ناصری۔ طبع کلکتہ صفحہ ۲۷۷ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ طبع کلکتہ صفحہ ۵۳ [3] بابر نامہ طبع قازان صفحہ ۴۱۳ [4] طبقات اکبری صفحہ ۲۱۵ و صفحہ ۲۱۶ و صفحہ ۲۱۷۔ اقبال نامہ جہانگیری طبع کانپور جلد دوم صفحہ ۲۸۳ و صفحہ ۴۰۹۔

بابر، اکبر اور جہانگیر نے لشکر گاہوں میں جو سکّے مضروب کرائے ہیں اُن پر دارالنصرت کا نام اُردو مسکوک ہوا ہے۔[1]

اکبر ۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ کے زمانے سے شاہی لشکر اور دارالحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلّٰی کہا کرتے تھے۔[2] اور اس کا بازار اُردو بازار کہلاتا تھا۔

---

[1] بابر کے ایک سکّہ پر جو ۹۳۴ھ میں مضروب ہوا ہے "ضرب اردو" منقوش ہے (دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست سکّہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور ص۵) اکبر نے اجمیر ۹۸۰ھ اور پنجاب ۹۸۰ھ کے سفر میں جو سکّے مضروب کرائے تھے اُن پر دارالضرب کا نام "اردوئے ظفر قرین" ثبت ہے دیکھو نلسن رایٹ کی فہرست سکّہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم کلکتہ جلد سوم۔ جہانگیر نے جلوس کے گیارہویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکّے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے۔ اور یہ دارالضرب "اُردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست

باردو سکّہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر + شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

جہانگیر نے جلوس کے بارہویں سال ۱۰۲۶ھ "کشمیر کے سفر میں جو سکّے مضروب کرائے تھے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے: یادر رواں تاکہ بود مہر و ماہ سکّۂ اردوئے جہانگیر شاہ

دیکھو نیومسماٹک سپلیمنٹ حصہ اوّل مضمون چہارم مشمولہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال بابت سنہ ۱۹۰۴

[2] طبقات اکبری ص۳۱۶ و ص۳۱۷

[3] کا حوالہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں

اُردو عام طور پر مغلیہ اُردو یعنی لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبان اُردو یعنی اہلِ لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرتِ استعمال سے لفظ زبان حذف ہوگیا۔ اور عام طور پر اُردو کہنے لگے[۱]

ریختہ کی تحقیق اُردو کا دُوسرا نام زبان ریختہ ہے۔ قدماء نظم اُردو کو ریختہ کہا کرتے تھے[۲] ولی دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

یہ ریختہ ولی کا جا کر اُسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لُغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے۔

خونم چو شود ریختہ مستی کند آن چشم
از ریختہ ذوق است و طرب در سر ہندو

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط[۳] ہو۔ قدمائے اُردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اس قدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا۔

---

[۱] ص۲۲ سو آنگلستان سخن ص۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے "خوش بیانان آنجا (دار الخلافت شاہ جہاں آباد) متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبان ہائے دیگر بہم رسانیدند" اُردو موسوم ساختند۔ [۲] تحقیق زبان ریختہ ص۳ [۳] بہار عجم جلد دوم ص۱۲۴

اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبانِ ریختہ مشہور ہوگیا۔

۲

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ (۱۳ھ-۲۳ھ) کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ بعد انہی نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے جن کے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بروص (بھڑوچ) پر یورش کی۔ لیکن اُن کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہوگیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہوگئے۔ ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران و سیستان و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ (۲۳ھ-۳۵ھ) کے زمانے میں مفتوح ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں گیا۔

سندھ کی فتح اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کرلیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ-۸۶ھ) کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق

کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں سنہ ۸۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی[1]۔ اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دایل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد بن قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ سنہ ۹۶ھ تک بہمن آباد، الور اور ملتان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد محمد قاسم معزول ہو کر دربار خلافت میں چلا آیا اور اس کے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

سندھ میں عربوں کی حکومت فارسی اور انگریزی مورخین کا یہ بیان غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۃ الواثق باللہ (سنہ ۲۲۷ تا سنہ ۲۳۲ھ) کے زمانہ تک دربارِ خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ ان کا مستقر حکومت تھا۔ جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی، اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے اُن کے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے۔

---

[1] ابو الفدا جلد ۱ ص ۱

(۳)

غزنیں میں سلطنت اسلامیہ کا قائم ہونا ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۳۲۷ھ میں الپ تگیں نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنیں میں ایک مستقل حکومت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قائم ہوئی جو ہندوستان و خراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے بہ آسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہوسکتی تھی۔ اس وقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمراں تھا۔ اس کی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی۔ سُبکتگیں نے (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو الپ تگیں کا جانشین تھا۔ راجہ کے ساتھ وادیٔ لمغان میں دو لڑائیاں کیں جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا۔[1]

سلطان محمود کی فتوحات۔ سبکتگیں کے بعد سلطان محمود (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) برسرِ حکومت ہوا۔ اس کے زمانے سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اس نے ۳۹۲ھ سے ۴۱۸ھ تک ہندوستان پر سترہ

---

[1] فرشتہ جلد اول صہ ۲۰ الفنسٹن ہسٹری صہ ۲۱۲

حملے کئے۔[1] اور نیلاب کو عبور کر کے جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا۔ اس کی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے پہلا مقام جنجس (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ محمود نے سنہ ۴۰۹ھ میں قنوج و متھرا کو فتح کیا۔[2] سنہ ۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا۔[3] سنہ ۴۱۵ھ میں گجرات کے دارالسلطنت نہروالہ پٹن کو فتح کر کے سومنات کو تخت و تاراج کیا۔[4] محمود کے بعد اس کی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پر اُن کا قبضہ بدستور قائم رہا۔

آلِ سبکتگین کا لاہور کو دارالحکومت قرار دینا۔ اس زمانہ میں آلِ شنسب کو عُروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ (سنہ ۵۱۲ھ سنہ ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں غزنین پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اُس وقت آلِ سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکل کر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس کے بعد اس کے دو جانشین خسرو شاہ (سنہ ۵۴۷ھ سنہ ۵۵۵ھ) اور خسرو ملک سنہ ۵۵۵ھ سنہ ۵۸۳ھ

---

[1] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں۔ [2] طبقات اکبری ص۵ فرشتہ جلد اول ص۲۹

[3] طبقات اکبری ص۸ فرشتہ جلد اول ص۳۱

[4] طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۲

کم وبیش ۳۶ سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے۔ ۵۸۳ھ میں محمد بن سام نے جس کا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کرلیا تو آلِ سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا اور پنجاب آلِ شنسب کے تصرف میں آگیا[1]

آلِ شنسب کا ظہور اور محمد بن سام کے فتوحات۔ اس کے بعد محمد بن سام نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے۔ اُس وقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ تومرا دہلی میں، چوہان اجمیر میں راٹھور قنوج میں باگھلے گجرات میں۔ دہلی کا راجہ ناگ دیو جب لاولد مرگیا تو اُس کا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا دہلی میں برسرِ حکومت ہُوا۔ اور اس طرح یہ تومرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان میں منتقل ہوگئی[2]

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا نے تراوڑی میں اس کو پسپا کردیا۔ لیکن اس کے دو سال بعد ۵۸۹ھ میں بمقام تھانیسر اُس نے فتح حاصل کی، اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف میں آگئے۔ اس کے بعد ۵۹۲ھ میں قنوج فتح ہوا۔

ہندوستان خاص اور بہار و بنگال کا سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہونا

اس اثناء میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہوگئے۔ غرضکہ سندھ سے بنگال تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ۶۰۲ھ میں

---

[1] طبقات اکبری ص۱۸

[2] الفنسٹن ہسٹری ص۳۵۲

دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمعیلیہ نے محمد سام کو شہید کر دیا۔[۱] اس کے بعد اُن کی سلطنت اُن کے غلاموں میں تقسیم ہوگئی تاج الدین یلدوز غزنین میں ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہوگئے طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آگیا۔ جس کے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پھیل گئی اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہوگیا۔ التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو اُن کے علاقے بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے۔

دکن میں بندھیاچل سے راسکماری تک مسلمانوں کے فتوحات

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب اُن کی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہوگئی تو سلطان علاء الدین محمد (۶۹۵ھ ۷۱۵ھ) نے دکن کی جانب پیشقدمی کی۔ ۷۰۶ھ میں دیوگڑھ فتح ہوا ۷۰۹ھ میں ورنگل اور ۷۱۰ھ میں کرناٹک منتوح ہوتے اس آخر الذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر رامیشورم تک پہنچ گئے۔ اور وہاں سلطان علاء الدین خلجی کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی۔[۲]

سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ ۷۱۵ھ کے زمانہ سے ملک

---

[۱] دول اسلام ذہبی ص۸۱ جلد دوم

[۲] فرشتہ جلد اول ص۱۱۹ انفنسٹن ہسٹری ص۳۸۸

دکن سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا اور اس کے بعد قریباً چالیس سال تک تخت دہلی سے اس کا تعلق قائم رہا۔ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں اُمرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہوگیا۔ اور یہاں ۷۴۶ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ ۷۴۶ھ – ۹۳۳ھ قائم ہوگئی۔ جس کے فرمانروا کم وبیش دو سو سال تک حکمراں رہے۔ نویں صدی سے اس کو بھی انحطاط شروع ہوا۔ اور پچاس سال کے اندر مُلک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کرلیا۔ اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی سلطنتیں قائم ہوگئیں۔

۴

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی اسلامی آبادی

جیسا کہ ہم نے اُوپر بیان کیا ہے، سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدّن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام وعراق کا نمونہ بن گیا۔ سندھ میں کم وبیش پانسو سال اِن کی حکومت رہی ہے۔ اس عرصہ میں عراق وعرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کرلی اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ اس قدر اختلاط بڑھایا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہوگیا۔

ابن[1] حوقل جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے۔ جب سندھ آیا تو دیکھا یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں۔ سندھ میں عربی اور ہندی بولی جاتی ہے۔ ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے۔

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں پنجاب کی اسلامی آبادی

آلِ سبکتگین اور سلاطین شنسبانیہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے۔ ابتدا میں ان کا مرکزِ حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابوالحسن علی بن عثمان الہجوری (المتوفی ۴۵۶ھ) و فخر الزہاد شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مسعود سعد سلمان۔ ابوالفرج رونی ابو عبداللہ النکتی اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اُس نے ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ جو صدیوں قائم رہا اور اُس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

---

[1] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۹ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا ہے اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جس کا نام المسالک والممالک ہے اور ڈی خویہ نے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۱۲

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندوستان کی اسلامی آبادی

جانشینانِ محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے۔ اور جس قدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرِ دین اور اُن کے مُرید و معتقدین نے بھی سکونت اختیار کی، اس طرح سو سال کے اندر اندر پنجاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرشنا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے۔ اور اُن کے ساتھ اُن کا مذہب اُن کا تمدّن اور اُن کی زبان بھی پھیل گئی۔ چنانچہ ابن بطوطہ[1] جو آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے اُس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اُس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

ہندوستان کا اسلامی تمدّن جو عربی اور ہندی تمدّن کے اختلاط سے بنا ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدّن اور اپنی زبان ساتھ لائے۔ لیکن مفتوح اقوام پر اس کا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ مصر و ایران میں پڑا تھا۔ اُن ممالک میں اسلامی تمدّن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدّن اور قدیم زبان کو ناپید کر دیا۔ اس کے خلاف ہندوستان

---

[1] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۷۳۴ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آیا اور دس سال یہاں رہ کر ۷۴۳ھ میں چین کو چلا گیا۔ اس کا سفرنامہ فرنچ ترجمہ کے ساتھ دی فرمری نے ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۷ء میں بمقام پیرس چھپایا ہے۔

میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا۔ لیکن فاتحین تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہوجاتا۔ اس لئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے۔ لیکن ہندوؤں کی زبان بھی اُن کی عام زبان نہ ہوسکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اُردو کے نام سے مشہور ہے۔

اُردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے مبنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن اُن کی فارسی خالص فارسی نہ تھی بلکہ اس میں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہوگئے تھے، ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سوراسنی) اگرچہ دوآبہ[1] کی زبان تھی۔ لیکن پانچویں صدی ہجری تک اس کو بے حد وسعت ہوگئی تھی، یہاں سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اُس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشوونما پائی۔ مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اُردو زبان کی صورت اختیار کرلی۔

---

[1] دوآبہ۔ اُس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے مابین واقع ہے۔

اُردو کی ابتدا کے متعلق مورخین سلف کے بیانات برج بھاشا کا

یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اُردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اس کی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ :۔

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے۔ پھر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانہ سے یعنی حضرت مسیحؑ کی تیرہویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور کچھ مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جن میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے۔ غالب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جُدا زبان کہا جائے۔

جبکہ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں شہر شاہ جہاں آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں

بسبب کثرتِ استعمال کے تغیّر و تبدیل ہو گئی۔ غرضکہ لشکر بادشاہی اور اُردوئے معلیٰ میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی۔ اور اسی سبب سے زبان کا اُردو نام ہُوا پھر کثرتِ استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اُردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہُوا۔"[1]

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدر دانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سُن کر حضور میں آکر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اُردو کی مقرر ہوئی۔[2]

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے رسالۂ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ:۔

---

[1] آثار الصنادید۔ طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء حصہ سوم ص ۱۰۴ و ص ۱۰۵

[2] باغ و بہار۔ طبع لندن ۱۸۸۹ء۔

"زبانِ اُردو روزمرۂ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی مروّج تھی۔ ہر شخص اُسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب ۵۸۸ھ میں سلطان معزالدین مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی۔ اہلِ ہند کو شکست دی۔ رائے پتھورا کا کام تمام کیا، تمام ملک ہند۔ سلاطین غور کے قبضہ اختیار میں آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا۔ جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر یہ ایک تازہ ظلم کیا کہ اُن کو شہر میں رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف دولت آباد میں بھیجدیا۔ اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دہلی میں بلالیا۔ اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دکھنی کبھی زبان دہلی میں مل گئے۔ یہی اندازِ گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہا۔ لیکن جب شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں آباد کو آباد کیا تو شاہ جہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے۔ قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فرق ہونے لگا۔ زبان اُردو کی ترقی شروع ہوئی۔"[1]

---

[1] رسالۂ در تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۸۹۰ء ص ۳ - ص ۴

مرحوم سرسید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ – ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ جب شاہ جہاں آباد آباد ہوا تو وہاں کے شاہی لشکر اور اردوئے معلی میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اردو زبان پیدا ہوئی۔ اس کے برخلاف میر امن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر ۹۶۳ھ – ۱۰۱۴ھ کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا نساخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۶۹ھ – ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کی تصریحات

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یوروپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمس نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصۂ دراز تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا۔ مسلمان مدت تک فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انھوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا۔ اکبر (۹۶۳ھ – ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگذاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اس طرح پر ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی۔[1]

---

[1] Beames - A Comparative Grammar of the modern aryan Languages of India p-15

اُردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورّخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (۱۳۹۸ء ۸۰۱ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُس وقت سے اُردو کی بنیاد قائم ہوئی۔[1]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اُس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی۔[2]

ڈاکٹر ونٹیرنز (جس نے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) کا بیان ہے کہ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولہویں صدی عیسوی (گیارہویں صدی ھ) تک ایک نئی زبان پیدا ہوگئی۔[3]

آل سبکتگین کے زمانہ میں اُردو کی بُنیاد قائم ہوئی ہے،

اُوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ ان مصنّفین نے عدم واقفیت کے باعث اُردو کی اس سرگزشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اس

---

[1] Dr. Gilchrist Hindostani Philology.

[2] Colebrooke — Asiatic Researches. Vol VII P. P. 220

[3] Dr. Winternitz — Geschichte Der Indichen Litterature P. P. 139

کی وجہ سے ان کے بیانات نہایت ناقص اور متضاد ہو گئے ہیں۔ تاریخ زبان اردو کا یہ تاریک حصّہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اُس کی بنیاد پر اُردو زبان کی عہد بہ عہد ترقیاں کی جائیں اور اس کے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں اُردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطان محمود کے مقبوضات وسط ایشیا میں دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراء النہر۔ خوارزم۔ خراسان۔ اور فارس کا بہت بڑا حصّہ اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ لیکن مسعود بن محمود (سنہ ۴۳۲ھ و سنہ ۴۴۰ھ) کے زمانہ میں آل سلجوق نے تمام مُلک چھین لیا۔[1] اور مودود بن مسعود سنہ ۴۳۲ھ و سنہ ۴۴۰ھ جب برسرِ اقتدار ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سبکتگین کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے۔ مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہو گئے تو ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ان نو واردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کر لیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اہلِ زبان ہو گئے۔ چنانچہ مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ النکتی

---

[1] روضۃ الصفا جلد چہارم ص۱۰۳

جو سلطان ابراہیم (سنہ ۴۹۲ھ و سنہ ۵۵۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں ہندی میں شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دو دیوان بھی مرتب کیے تھے۔[۱]

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا نام ہجرائے تھا، سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا۔ اور اس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔[۲] سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا۔ اس کے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کیے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ سنہ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اس کی مدافعت کے لیے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اس کی جگہ تلک مامور ہوا اور اس نے نہایت عمدگی کے ساتھ نیالتگین کی بغاوت فرو کی۔[۳]

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ میل جول اور تبادلہ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ

---

[۱] عوفی جلد ۲ ص ۲۴۶ و ہفت اقلیم در تحت لاہور

[۲] طبقات اکبری ص ۱۵

[۳] طبقات اکبری ص ۱۲ ایلیٹ ہسٹری جلد ۲ ص ۱۳۰۔

سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی[1] اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے ساتویں صدی تک اس نے ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ و ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنھوں نے عرصۂ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کرلی تھی۔ اِسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اُردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور اُن سے اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اُس میں عہد بہ عہد کس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید گنج شکر اور زبان اُردو۔ شیخ فریدالدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ

---

[1] الفنسٹن ہسٹری طبع ۱۹۰۵ء ص ۳۲۵

تھے ۶۶۸ھ میں آپ نے انتقال فرمایا ہے۔[1] آپ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے۔[2] جواہر فریدی میں (جو بعہد جہانگیر ۱۰۳۳ھ میں تالیف ہوئی ہے) لکھا ہوا ہے کہ بزمانۂ قیام دہلی آپ کو آشوب چشم کی شکایت ہوگئی۔ اور آنکھ پر "پٹی" باندھ کر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیر نے "پٹی" باندھنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، "آنکھ آئی ہے"۔ اس کے جواب میں پیر کا ارشاد ہوا۔ "اگر آنکھ آئی ہے۔ ایں راچرا بستہ اید"۔[3]

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں، سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے (خلیفہ تھے) ۷۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔[4] سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی ہے۔[5] آپ بنگالہ سے دہلی میں تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی۔ لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاءالدین قل موجود ہیں اور

---

[1] آئین اکبری جلد سوم ص ۲۷۹ شہزادہ داراشکوہ نے ۶۶۴ھ لکھا ہے (سفینۃ الاولیا ص ۱۹)

[2] اسرار الاولیا ص ۳ [3] جواہر فریدی ص ۲۰۸

[4] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۵۵

[5] آئین اکبری جلد سوم ص ۲۸۰

خلائق کا رجحان اُن کی جانب ہے میرے وہاں جانے سے کیا نتیجہ ہے اس پر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا "تم اُوپر وے تلے"۔ شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور بنگال کی جانب روانہ ہوئے۔[1]

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مقولہ۔ خواجہ بندہ نواز سید محمدؒ گیسو درازؒ دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔[2] آپ کے ایک مُرید عبداللہ بن عبدالرحمٰن چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوّف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

"مجھوکوں موئے سوں خدا کچھ اپڑتا ہے خدا کون اپڑنے کی استعداد ہو رہے"

قطب عالمؒ گجراتی کے اقوال۔ سید برہان الدین عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینیؒ کے پوتے تھے ۸۰۳ھ میں گجرات آکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے۔ سلطان احمد (۸۱۴ھ ۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد تشریف لائے۔ آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمدؒ بن عبداللہ تھا۔

اہل گجرات آپ کو قطب عالم اور فرزند کو شاہ عالمؒ کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ ۸۵۷ھ میں

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹

[2] آئین اکبری جلد سوم ص ۲۸۵

قطب عالمؒ نے ۸۵۷ھ میں شاہ عالم نے انتقال فرمایا ہے۔ [۱]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالمؒ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اس وقت آپ نے فرمایا۔ "کیا ہے لوہا ہے، لکڑی ہے یا پتھر؟" [۲]

شاہ بارک اللہ چشتیؒ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے۔ جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے۔ شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس روز سے آپ کا شاہ عالم خطاب مشہور ہوگیا۔ شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالمؒ سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی" [۳]

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چانپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، بیان و معانی وغیرہ میں جس قدر مشہور متداول کتابیں ہیں اُن

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۱۵۶ [۲] تحفۃ الکرام ص ۱۷ ج ۳ [۳] تحفۃ الکرام ص ۴۷، ۴۸

سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بھی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ ان کے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں۔[۱]

آپ کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپ کے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں اس کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسے گفت کہ میاں شیخ فضل اللہ ترک درس کردند

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے، تب آپیں درس کہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم

فرمودند" اس سیں ہور کیا خوب ہے۔ اس دنیا میں کہ دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند۔

فرمودند "عارف اُسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے، جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تبیہ پاوے۔ دوجے بار بھی پاوے۔ تیجے بار بھی پاوے۔

تبیہ ۱۲ ، دوسرے ۱۲ ، تیسرے ۱۲

سید شاہ ہاشم بیجاپوری کے اقوال۔ سید شاہ ہاشم علوی، شیخ وجیہ الدین

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۲۹۲ سبحۃ المرجان صفحہ ۴۵ اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۷ میں آپ کا ۹۹۷ھ سال وفات لکھا ہے۔

گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے، ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۷ھ ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۵ھ ۱۰۷۰ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا.
شاہ مُراد بن شاہ جلال نے جو آپ کے مرید خاص تھے آپ کے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اس کا نام مقصود العاشقین رکھا. کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات جنّے رکھی باسی بھات
اُس کا جاوے ہاتے ہات

---

(۲) باپ کے اُتنا دیوے سو پُوت باپ نیں دیوے سو سپُوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

---

(۳) دُنیا چھوڑے شیخ کہائے یہ حجاب تجھ بھولے نائے
دینی شیخی سوں یک میدان پہلے جھوٹے دوجے شیطان
پہلے ۱۲ دوسرے ۱۲

شاہ نظام الدینؒ، شاہ ہاشمؒ کے ایک مُرید خاص تھے۔ صاحب مقصود العاشقین نے ان کا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔
نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے، اوّل جسکا نیں دل صفا،
جامہ سونڈے میں رہا۔ اُسے خوشبو لگائے تو کیا نفا
جب ۱۲ نفع ۱۲

ہندوؤں کی زبان کے نمونے۔ اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے۔ اب ہندوؤں کی زبان کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے،

کبیر داس بنارس کے رہنے والے، گرو راما نند کے چیلے اور ہندوؤں کے مشہور موحد گزرے ہیں۔ سلطان بہلول اور سکندر لودھی (۸۹۴ھ سنہ ۹۲۳ھ) کے معاصر تھے۔ سنہ ۸۴۰ھ کے قریب پیدا اور سنہ ۹۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ گورکھپور کے قریب مگھر میں مسلمانوں نے اُن کا مقبرہ بنایا ہے۔ ذوالفقار اردستانی نے دبستان المذاہب میں ان کے حالات لکھے ہیں[1]

کبیر کے دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں۔ لیکن اس زبان میں نہیں ہیں جو تحریر کے لئے مخصوص تھی بلکہ اُن کی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے اس میں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اس کے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

[2] ایسا کوئی نہ ملا جاسوں رہیے لاگ ۔۔۔ سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ

سُکھ میں سُمرن نا کیا۔ دُکھ میں کیا یاد ۔۔۔ کہیں کبیر تا داس کی کون سنے فریاد

---

[1] دبستان طبع کلکتہ سنہ ۱۲۲۴ صفحہ ۲۴۶ طبع بمبئی صفحہ ۱۵۹ اردو ترجمہ صفحہ ۲۲۰

[2] کبیر کے دوہوں کو پنڈت برت لال ایم اے نے فارسی خط میں کبیر ساکھی کے نام سے چھپوایا ہے اُس سے یہ نقل کئے گئے ہیں۔۱۲

نینوں کی کر کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے | پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ | وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

سیج بچھا دے سندری انتر پردا ہوئے | تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیرا لوہا ایک ہے گڑھنے کا ہے پھیر | لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر شریر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین | کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور اُن کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں۔ مثلاً سورداس (۹۹۰ھ) تلسی داس (۱۰۲۳ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اس لئے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے۔

نویں صدی سے پہلے اُردو کی وسعت۔ اُوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اُردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی۔ اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستان اسلامی کہنا چاہیئے۔ عام طور پر بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور مشائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

اُردو ہندوستان سے باہر۔ آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان

کے بہت سے علما مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ علاوہ ان کے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں رہ کر واپس آتے تھے۔ ان کی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے اور ان کے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھوکھا روپیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انھیں ہر وقت ہندوستانیوں سابقہ رہتا تھا اس لئے اُنھوں نے اُردو بولنا سیکھ لیا تھا۔ ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث اُردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہوگئے [1]

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ آپ کا وطن تھا۔ گجرات، دکن، سراندیپ، کی سیاحت کرتے ہوئے ۹۶۳ھ میں مکۂ معظمہ پہونچے۔ مولانا علی متقی جو برہان پور کے باشندے اور علوم شرعیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکۂ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہوگئے۔ اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہ کر تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ وجانشین قرار دیا۔

---

[1] یہ واقعات آثار المدینہ۔ زاد المتقین۔ جذب القلوب۔ اور اخبار الملکہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا ۱۰۰۱ھ میں بمقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے۔

حرم کعبہ میں بزبان اُردو علوم دینیہ کا درس۔ شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے۔ اس کے بعد عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں ہندیوں کو اُردو میں درس دیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور عبدالوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب ۱۰۰۳ھ میں لکھی ہے اور اس کا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے۔ اس میں شیخ عبدالوہاب کا طریقہ درس اس طرح مذکور ہے۔

"طریقہ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند اورا درس بگوید۔ ہر علمی کہ باشد۔ اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بخواند خوش حال تر و راضی تر باشند۔ و بعد از مقید شدن بدرس در تحقیق و تخمیص مساہلہ نہ کنند۔ مہما امکن در تفتیش و تنقیر حواشی و شروح کوشند۔ و ہمت تمام مصروف باین جانب سازند و سخن را مجمل نہ گزارند۔ چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و

تشدق لسانی درمیان باشد و باہر کس بزبان او سخن کنند و باہندیاں در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر حین درس شخصے عجمی یا عربی حاضر شود، بجہت وے تقریر را تغیر نہ دہند و بقصد استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نہ کنند، مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت بنماید و ہماں مقدار، بر اندازہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند و سالہا در حرم شریف ایں علوم را درس گفتہ اند"

(۶)

امیر خسرو اور اُردو زبان - ساتویں صدی کی اُردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؒ کی نظمیں ہیں اُن سے نہ صرف اُس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں تھی۔

حضرت امیر خسروؒ سنہ ۶۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا۔ سلطان غیاث الدین بلبن (سنہ ۶۶۴ھ سنہ ۶۰۸ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ سنہ ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی۔ دہلی میں رہا کرتے تھے۔ لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو سنہ ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن واحدی کا یہ بیان اس وقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقدر ہاتھوں نے اس تمام ذخیرے کو تباہ و برباد کر دیا۔ تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہے وہ بھی اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؒ کے دو سو چیستان موجود تھے اور اُن کے علاوہ ایک مجموعہ

میں اُن کا متفرق کلام جمع تھا۔ جس میں فارسی آمیز غزلیں اور مکرنیاں وغیرہ تھیں ان دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور اُن کے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے۔ اس وقت تک دو غزلیں اور متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکین
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آئیں نہ بھیجیں پتیاں

بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کے گھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا
در غم ہجر تو کمر ٹوٹ ہے

یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من
بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹھ ہے

روئے تو رونق شکن آفتاب — سرو بہ پیش قدِ تو بوٹہ ہے
گاہ ز خسرو تو نگفتہ کہ بیٹھ — وہ چہ کند بھاگ مرا پھوٹہ ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسروؒ کی چیستاں۔ حضرت امیر خسروؒ کی حسب ذیل چیستاں ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اس کو جانے ہے — پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی ہیں لیکھا ہے — فکر کیا اُن دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر — بستی باہر واکا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم — مُنھ میٹھا تاشیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں — بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے — امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

کاجل

جل کر بنے جل میں رہے　　آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلا

ایک انوکھا گرہ بنایا　　اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلّی، بندھن گھنے　　کہو خسرو گھر کیسے بنے

فارسی لغات اور اُن کے اُردو مترادفات۔ آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کے چار مشہور و مستند لغات لکھے گئے ہیں (۱) ان میں سب سے قدیم محمد بن قوام بن رستم بلخی کی بحر الفضائل فی منافع الافاضل ہے۔ جو ۷۹۵ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں فارسی کے عام الفاظ ہیں ان کے ضمن میں اکثر الفاظ کے ہندی مترادف بیان کئے ہیں۔ دوسری جلد کے چودھویں باب میں اُن ہندی الفاظ کو جمع کیا ہے جو ہندی نظموں میں آتے ہیں۔ یہ باب ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت آٹھویں صدی کے آخیر ایام میں مسلمان فارسی کے علاوہ عام طور پر ہندی زبان بولتے تھے اور اُس زمانہ میں اس میں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں اور وہ اس قدر مقبول و مشہور تھیں کہ مصنف کو اُن کا لغت فارسی میں مدون کرنے کی ضرورت پیش آئی [1]

---

[1] بحر الفضائل اور اس کے مصنف کی نسبت ہم نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو رسالہ زمانہ بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ بحر الفضائل کے بعد اداۃ الفضلا ہے اس کو قاضی خاں ملا نذر محمد دہلوی نے امیر تیمور کی یورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے (۳)، اس کے بتیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے نام پر اس کا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے۔ باربک شاہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمراں رہا ہے[1] (۴) اس کے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودھی کے زمانہ میں مؤید الفضلاء کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے اُن کے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور مؤید الفضلا نے اس کا التزام خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۷۰۰) ہیں جن کے معنی اُردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اُردو الفاظ آگئے ہیں اُن کی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے۔

یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اس وقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۹۵

سلطنت بہمنیہ

۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

۱۔ علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ تا	۷۵۹ھ
۲۔ محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ تا	۷۷۶ھ
۳۔ علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۶ھ تا	۷۸۰ھ
۴۔ داؤد شاہ	۷۸۰ھ	
۵۔ محمد شاہ ثانی (۱)	۷۸۰ھ تا	۷۹۹ھ
۶۔ غیاث الدین	۷۹۹ھ	
۷۔ شمس الدین داؤد شاہ ثانی (۲)	۷۹۹ھ تا	۸۰۰ھ
۸۔ تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ تا	۸۲۵ھ
۹۔ شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ تا	۸۳۸ھ
۱۰۔ علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ تا	۸۶۲ھ
۱۱۔ علاء الدین ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ تا	۸۶۵ھ
۱۲۔ احمد شاہ ثالث (۳) (نظام شاہ)	۸۶۵ھ تا	۸۶۷ھ

---

(۱) فرشتہ نے اسکا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات میں محمد شاہ مسکوک ہے۔ تھامس کرانیکل صفحہ ۳۲۵۔ (۲) سکوں پر اسکا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر (۱۱) آرٹیکل ۶۲ نمبر ۹ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲ (۳) مورخین نے اسکا نام نظام شاہ اور اسکا زمانۂ حکومت ۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ بتایا ہے۔ لیکن جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں۔ ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہے (نیومسماٹک کرانیکل ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۶۹

۱۳- شمس الدین محمد شاہ ثالث	۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ
۱۴- محمود شاہ	۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ
۱۵- احمد شاہ رابع	۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ
۱۶- علاء الدین	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ
۱۷- ولی اللہ	۹۲۹ھ تا ۹۳۲ھ
۱۸- کلیم اللہ	۹۳۲ھ

سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالیخاندان امیر تھا۔ ملک ہزبر الدین ظفر خاں۔ سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ ۶۹۷ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُن کی مدافعت کرتا ہوا عین معرکہ میں شہید ہوا[1]۔ اس کے دو بھانجے تھے علی شاہ اور حسن بہمنی[2] یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے اُمرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انھیں سلطان نے اپنے استاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا۔ ۷۴۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار

۱؎ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۵۹ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۴

۲؎ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۸ ۔

شروع کر دی۔ قتلغ خاں نے اُس پر چڑھائی کی۔ بیدر میں لڑائی ہوئی قتلغ خاں نے اُسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر کے غزنی کی طرف جلاوطن کر دیا[1]

دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام۔

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد اُمرائے دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دے کر بادشاہ بنالیا۔ دُوسرے اُمرا بھی مُلک کے مختلف حصّوں میں خودسر ہو گئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے ہیکری۔ رائے باغ، مرچ۔ کلہر۔ گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کارزار گرم رہا۔ ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ لشکر سلطانی ہزیمت اُٹھا کر فرار ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے رہے۔ اسی اثناء میں امیر ناصر الدین اسمٰعیل نے بادشاہت کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرانے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں جس کو سُلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اسکے نام کا خطبہ پڑھوایا[2]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۵۱۴ ابن بطوطہ جلد دوم ص۱۰۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص۱۳۹

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص۲۰۷

سلطنت بہمنیہ کی وسعت حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدّین بہمن شاہ اپنا لقب اختیار کیا۔ اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کرکے اُسے اپنا دار الحکومت بنایا۔ اس کی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ زمانۂ مابعد میں اس کے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی۔ علاء الدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی۔ محمد شاہ کے زمانہ میں اڈیسہ اور کانجی ورم مسخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی۔ ان فتوحات سے بہمنوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہوکر دوسرے سمندر تک وسیع ہوگئی۔ بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مشاغل علمیہ سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدردان تھے۔ محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ و ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اس کے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہوکر آنے سے انکار کردیا

بادشاہ نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی اُن کے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا، تفسیر، اصول، اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا۔ علم ہیئت سے اُسے بڑی دلچسپی تھی ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رسدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گاذرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور عُلما مامور کئے تھے خواجہ بندہ نواز سید گیسو دراز اسی کے زمانہ میں گلبرگہ تشریف لائے تھے،

احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے مثلاً مُلّا عبدالغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ، آذری مرزا شاہ رُخ کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدّت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اس کا نام رکھا۔ احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہوگئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زادِ راہ کے لئے عطا کئے۔ بہمن نامہ ادھورا رہ گیا تھا، ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اُسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑھا کر کتاب کو ختم کردیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا، سید العلماء سلامت اللہ اوحدی۔ شمس الدین سامی۔ عبدالکریم ہمدانی

مُلّا نظیری۔ اس کے ندیمان دربار تھے۔ مشہور شاعر مُلا عبد الرحمن جامی کو اُس نے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن اُنھوں نے آنے سے معذرت کی۔ اور ایک مطول قصیدہ اس کی مداح میں لکھ کر بھیج دیا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

مرحبا اے، قاصد ملک معانی مرحبا   الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا

انقراض سلطنت بہمنیہ۔

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسر حکومت رہے۔ اس کے بعد انحطاط شروع ہُوا۔ محمود شاہ کے زمانے سے صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی۔ سنہ ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہوگیا اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قائم ہوگئیں، برار میں عماد شاہی۔ احمد نگر میں نظام شاہی۔ بیدر میں برید شاہی۔ بیجاپور میں عادل شاہی۔ گولکنڈہ میں، قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ کے مختلف باشندے اور اُن کی زبانیں

سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورّخ فرشتہ نے اُن کے تین گروہ بیان کئے ہیں،

۱۔ دکنی۔ ان سے وہ لوگ مُراد ہیں جو سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں یا اس کے بعد عساکر اسلامی کے ساتھ ہندوستان سے آکر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں اُن کی دو تین پشتیں گزر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اُردو بُولتے تھے۔

۲۔ **غریب** (پردیسی) یعنی وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک، افغان اور ایرانی بیشتر تھے ان کی زبان بالعموم فارسی تھی۔

۳۔ **حبشی**۔ یہ لوگ حبش یعنی ابی سینیا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن آئے تھے اور اُن کی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہو گئی تھی یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

مُلک کے اصلی باشندے ان کے علاوہ تھے۔ سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے۔ جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں۔ دولت آباد، گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے۔ خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور پار تھیں زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی،

سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھی۔ غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں ان کی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اُردو سے کوئی جُداگانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور اُس کے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب و ہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط و ضبط نے اس میں بتدریج فرق

پیدا کر دیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اس قدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے بآسانی ممیز ہونے لگیں۔ اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہو گئیں۔ ہندوستان کی زبان اُردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنّف

اُردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی۔ برخلاف اس کے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کر لی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک دکنی زبان کی جس قدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں۔ ان میں شیخ عین الدّین گنج العلم کے رسالے سب سے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدّین گنج العلم اور ان کی دکھنی تصنیفات

شیخ عین الدّینؒ گنج العلم۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ ۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد آئے۔ اُس وقت یہ شہر سلطان محمد بن سلطان تغلق ۷۲۵ھ و ۷۵۲ھ کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر و شیوخ جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً سیّد خوندمیر علاء الدّین حسینی جیودی جو دہلی کے اکابر اولیا سے

تھے۔ شیخ شمس الدّین لامغانی جنھوں نے شیخ بہاء الدّین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ منہاج الدّین تمیمی الانصاری وغیرہ۔ شیخ عین الدّین۔ سید خوندمیر کے مرید تھے شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ منہاج الدّین سے فیض روحانی حاصل کیا۔ اس کے بعد ۷۳۶ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدّت دراز مقیم رہنے کے بعد ۷۷۳ھ میں بیجاپور میں آئے۔ دکن میں سلطان علاء الدّین حسن بہمن شاہ (۷۴۸ھ-۷۵۹ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی، ۷۸۰ھ-۷۹۹ھ کے عہد میں ۲۷ جمادی الاول ۷۹۵ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں اُن کی تعداد (۱۳۲) ایک سو بتّیس تحریر ہے[1]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور تاریخ ہے۔ اس میں سلطان ناصر الدّین محمود (۶۴۴ھ-۶۶۴ھ) تک سلاطین ہندوستان کے حالات تحریر ہیں،

شیخ عین الدّین نے اس کا تکملہ لکھا ہے اور اس میں اپنے زمانہ تک کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اس کا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے[2]

---

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور ص۲۹ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم ص۵۶۸

[2] تاریخ فرشتہ جلد اوّل ص۴

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اس میں آپ نے اکابر اولیاء کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔

آپ نے کئی چھوٹے چھوٹے رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں، کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے،

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ۔ خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو درازؒ خواجہ نصیر الدینؒ چراغ دہلی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔ آپ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ ۸۲۵ھ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اس میں بیان کئے ہیں۔ علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف، شیخ عبدالکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے ان پر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں ان کے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اس

میں تصوف کے اسرار و حقائق تحریر ہیں۔

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبا اور مریدوں کو علم تصوف اور حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[۱] جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے اُن کے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے۔ اور ایسے مریدوں

حضرت خواجہ بندہ نواز کی دکنی تصنیفات

کی فرمائش پر آپ نے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے۔ منجملہ ان کے معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں اور عشق نامہ میں اُن کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔

رسالہ ہفت اسرار۔ خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے۔ آپ کے ایک مُرید نے اُن کی ایک مبسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

نشاط العشق کا دکنی ترجمہ۔ سیّد محمد عبداللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے رسالہ نشاط العشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اُس کی شرح لکھی تھی۔ اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[۲]

---

[۱] روضۃ الاولیا ص ۲۳ [۲] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۸۷

مُلّا نظیری۔ بہمنیوں کے عہد میں اُردو شاعری کا کیا حال تھا۔ اس کا پتہ چلانا دشوار ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا دارالحکومت جس وقت حسن آباد گلبرگہ سے احمد آباد بیدر میں منتقل ہوا تو اُن کے دربار میں اُردو شعر و سخن رواج ہو گیا تھا۔ بیدر کے پانچویں بادشاہ سلطان محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ – ۸۸۷ھ) کے عہد میں محمد تقی نام فارسی کا ایک زبردست شاعر گزرا ہے۔ اس کا تخلص نظیری تھا۔ اور اُس نے ملا آذری اسفراینی کے بہمن نامہ کا تکملہ لکھا ہے[1] اور ہمایوں شاہ بہمنی کے مارے جانے پر جو تاریخ کہی ہے وہ بھی نہایت مشہور ہے۔[2] اور اُسے تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

ہمایوں شاہ مُرد و دور خوش گشت   تعالے اللہ زہی مرگ ہمایوں

جہاں پُر ذوق شد تاریخ مرگش   ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

نظیری اُردو میں بھی شعر کہا کرتا تھا، ملا محمود بن ابراہیم بیدری نے معدن الذہب کے نام سے ایک کتاب سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ – ۹۲۴ھ) کے عہد میں لکھی ہے۔ جس میں علماء و فضلاء اور شعراء و ادبا کے لطائف و ظرائف مذکور ہیں اس میں ایک لطیفہ کو بیان کرتے ہوئے مصنّف نے نظیری کا حسب ذیل ہندی شعر بھی نقل کیا ہے۔

دیں شیخ و برہمن نے کیتا یار فراموش
ہن تسبی فراموش ہمن زنار فراموش

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲۶ [2] خزانہ عامرہ ص ۲۲ [3] ہفت اقلیم ص ۶۵

سلطنت گجرات

سنہ ۷۹۹ھ — سنہ ۹۸۰ھ

۱۔	مظفر شاہ اوّل	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۸۱۴ھ
۲۔	احمد شاہ اوّل	سنہ ۸۱۴ھ	سنہ ۸۴۶ھ
۳۔	محمد شاہ اوّل	سنہ ۸۴۶ھ	سنہ ۸۵۵ھ
۴۔	قطب الدین احمد شاہ	سنہ ۸۵۵ھ	سنہ ۸۶۳ھ
۵۔	داؤد شاہ	سنہ ۸۶۳ھ	
۶۔	محمود شاہ اول	سنہ ۸۶۳ھ	سنہ ۹۱۷ھ
۷۔	مظفر شاہ ثانی	سنہ ۹۱۷ھ	سنہ ۹۳۲ھ
۸۔	سکندر شاہ	سنہ ۹۳۲ھ	
۹۔	محمود شاہ ثانی	سنہ ۹۳۲ھ	
۱۰۔	بہادر شاہ	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۹۴۳ھ
۱۱۔	میران محمد شاہ (والی خاندیس)	سنہ ۹۴۳ھ	سنہ ۹۴۳ھ
۱۲۔	محمود شاہ ثالث	سنہ ۹۴۴ھ	سنہ ۹۶۱ھ
۱۳۔	احمد شاہ ثانی	سنہ ۹۶۱ھ	سنہ ۹۶۹ھ
۱۴۔	مظفر شاہ ثالث	سنہ ۹۶۹ھ	سنہ ۹۸۰ھ

سلاطین گجرات - گجرات ہندوستان اور دکن کے مابین جانب مغرب ساحل سمندر پر واقع ہے۔ اس کو پہلے پہل سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار الغ خاں نے ۶۹۶ھ میں فتح کیا۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک یہ ملک سلاطین دہلی کے قبضہ اور تصرف میں رہا۔ یہاں تک کہ ظفر خاں کو یہاں کی صوبہ داری ملی اور اُس نے سلاطین دہلی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر خود مختار ہونے کے بعد اپنی جدید سلطنت قائم کرلی۔

سلاطین گجرات کی حکومت ابتداء میں صرف گجرات تک محدود تھی لیکن بعد میں بعض اولوالعزم فرمانرواؤں کی کوشش سے اس میں بہت کچھ وسعت ہوگئی۔ مغرب میں کاٹھیاوار کا ملک شمال اور جنوب میں مارواڑ اور کوکن کے بعض علاقے ان کے تصرف میں آگئے۔ اور دور اقبال کی ممتاز حکومتوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

یہ حکومت تقریباً ایک سو بیاسی سال قائم رہی۔ یہاں تک کہ ۹۸۰ھ میں اکبر نے احمد آباد فتح کرلیا۔ اور گجرات سلاطین مغلیہ کے قبضہ میں آکر سلطنت دہلی میں ملحق ہوگیا۔

اہل گجرات کے مشاغل علمی - گجرات چونکہ سمندر سے ملا ہوا تھا اس لئے ایران و عرب و مصر کے باشندے اس ملک میں ہمیشہ آیا جایا کرتے تھے ان تعلقات نے گجرات کو ارباب فضل و کمال کا مرکز و مرجع بنا دیا تھا۔ اور علماء و محدثین کی جماعت کثیر بلاد اسلام سے آکر یہاں آباد ہوگئی تھی۔ ان نوواردوں میں محدث وجیہ الدین مالکی شیخ شمس الدین سخاوی

کے شاگرد تھے۔ انھیں شاہان گجرات نے ملک المحدثین کا خطاب دیا تھا[1]
شیخ شہاب الدّین مصری بھی جو شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد ہیں
احمد آباد میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے سلاطین گجرات کے نام پر
بہت سی کتابیں لکھی ہیں[2]۔ امام بدر الدّین دمامینی ۸۳۰ھ میں مصر سے
گجرات آئے۔ اور سلطان احمد شاہ کی فرمائش سے صحیح بخاری اور مغنی
اللبیب کی تعلیقات لکھیں[3]۔

علمائے گجرات میں شیخ علاء الدّین علی المہائمی خاص شہرت رکھتے
ہیں ۸۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ تبصیر الرحمٰن کے نام سے آپ نے
ایک ضخیم تفسیر تصنیف کی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الاکبر ابن عربی کی فصوص
اور شیخ شہاب الدّین سہروردی کی عوارف پر شرحیں بھی لکھے ہیں[4]۔

شیخ رکن الدّین ناگوری نہروالہ کے مفتی تھے اُنھوں نے قاضی
القضاۃ شیخ جمال الدّین اکرم کی فرمائش سے فتاوای حمادیہ تصنیف کی
جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے۔

قاضی جگن گجرات کے مشاہیر فقہا سے ہیں اُنھوں نے فقہ احناف
کے متعلق جمیع احادیث کو جمع کیا ہے۔ اور اس کا نام خزانۃ الروایات
رکھا۔ ۹۲۰ھ میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹن کے باشندے تھے اُنھوں نے بحار الانوار کے نام

---

[1] نور السافر ۱۲ [2] نور السافر ۱۲ [3] بستان المحدثین ۱۷ [4] سبحۃ المرجان۔ مآثر الکرام ۱۸۹

سے حدیث کا ایک مبسوط لغت لکھا ہے علاوہ اس کے اسماء الرجال اور احادیث موضوع کی نسبت بھی دو بےمثل کتابیں تصنیف کی ہیں، [۱]

مفتی قطب الدین نہروالہ کے باشندے تھے۔ حجاز میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں الاعلام کے نام سے بیت اللہ کی ایک تاریخ لکھی، جو یورپ میں چھپی ہے۔

گجرات میں زبان اُردو۔ اُردو زبان دکن میں آنے کے بعد دکنی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور جب گجرات میں پہونچی تو اس کا نام گوجری یا گجراتی مشہور ہوا۔ چنانچہ ملفوظات سید علی گام دہنی کے دیباچہ میں جامع نے لکھا ہے۔

دربیان توحید و اسرار بالفاظ گوجری بطریق نظم فرمودہ بود،

شیخ خوب محمد چشتی نے امواج خوبی کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است ہمچناں گفتم،

اہل بیجاپور اس زبان کو ابتداء میں گجراتی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ برہان الدین جانم بیجاپور کے ایک قدیم مصنف ہیں اپنے رسالہ حجت البقا میں فرماتے ہیں،

جے ہو دیں گیان بچاری   نا دیکھیں بھاکا گجری

اہل گجرات نے نویں صدی کے اواسط ایام سے اس زبان میں

---

[۱] مآثر الکرام صفحہ ۱۹۴ سبحۃ المرجان

تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور اُن کی تصنیفات سے جو چیزیں اس وقت میسر آتی ہیں اُن میں سب سے قدیم شیخ بہاء الدّین باجنؔ" کا کلام ہے۔

شعرائے گجرات

شیخ بہاء الدّین باجنؔ

مشاہیر اولیا سے ہیں سنہ ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مشہور محدث شیخ علی المتقی کے مرشد اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے مُرید تھے۔ عرب و ایران کی سیاحت سے واپس آکر اپنے پیر کے فرزند شیخ رحمۃ اللہ متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی وفات کے بعد سنہ ۸۹۹ھ کے قریب خاندیس میں آکر بُرہان پور میں مقیم ہو گئے۔ اور اسی جگہ ایک سو بائیس سال کی عمر میں ۲ ذیقعدہ سنہ ۹۱۲ھ کو انتقال کیا۔ شاہ بازار میں آپ کا مقبرہ اب تک موجود اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ باجنؔ تخلص تھا۔ آپ نے ایک کتاب خزانۂ رحمت کے نام سے لکھی ہے اس میں اپنے مُرشد کے ملفوظات و ارشادات جمع کئے ہیں اور جگہ جگہ اپنے ہندی کلام کو اس میں نقل کیا۔ منجملہ ان کے ایک دوہرہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

سنڈل من میں دھمکے　　رباب رنگ میں چھمکے

صوفی اُن پر ٹھمکے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

اخبار الاخیار صـ ۲۶۷ ۔ تاریخ برہان پور صـ ۱۰۱ مآثر الکرام صـ ۱۹۲ شیخ عزیز اللہ متوکل گجرات کے مشاہیر اولیاء سے ہیں۔ شادی آباد منڈو میں اُن کا وطن ہے۔ سلطان احمد شاہ کے زمانہ میں گجرات میں آئے اور اُسی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ احمد شاہ کے باہر میدان پورہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند شیخ رحمت اللہ سلطان محمد بیگڑہ کے مرشد تھے۔ ۲۶ جمادی الثانی ۸۹۷ھ کو فوت ہوئے۔ احمد آباد کے قریب شیخپور میں آپ کا مقبرہ و مسجد موجود ہے مرآۃ احمدی صـ ۱۱ صـ ۵۴ ۔

سیّد شاہ علی الحسینی گانؤں دھنی

گجرات کے سادات رفاعیہ سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے سید احمد کبیر رفاعی (۵۷۸ھ) تک پہونچتا ہے۔ گانؤں دھنی آپ کا لقب ہے جس کے معنی ہیں "گانؤں کا مالک"۔

۱۴۔ جمادی الاخریٰ ۹۲۳ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ احمد آباد میں اندرون حصار دروازہ، رائے گیر کے قریب سلطان شاہ غزنی کی گنبد کے پاس آپ کا مزار واقع ہے۔ صاحب مخبر الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات

حسبِ ذیل منظوم کی ہے۔

سیّدِ بے نظیر شاہ علی | مظہر ذاتِ پاک لم یزلی
صاحبِ فیض بود آں فیاض | مصدرِ کشف بود آں مرتاض
نسخۂ فارسی وہم عربی | کرد تالیف از خدا طلبی
باز در اصطلاح گجراتی | گفت سرِ صفاتی و ذاتی
جانب خلد و جنّتِ اعلے | شد بماہ جمادی الاُخرا ے
سال نقلش ازیں سرا چو گزشت | خردم گفت "نور اوج بہشت" ۹۷۰
مرقد او بہ احمد آباد ست | جائے فیض و مقام ارشاد است

آپ کا ہندی کلام گجرات میں نہایت مقبول ہوا ہے۔ اہل گجرات اُسے دیوان مغربی کے ہمپایہ سمجھتے ہیں۔ مصنف مراۃ احمدی نے لکھا ہے۔

دیوانے دارد بزبان ہندی در سوزش و معنی برابر دیوان شیخ مغربی ست"

آپ کے پوتے سیّد شاہ ابراہیم بن سیّد شاہ مصطفےٰ بن سیّد شاہ علی حسینی نے اِسے بصورت دیوان مرتّب کیا اور اس کا نام "جواہر اسرار اللہ" رکھا۔ اس میں قطعات و فردیات ہیں۔ جنھیں جامع نے نکات و مکاشفات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۲۴۸ھ میں بمبئی میں طبع ہوا ہے۔ اس کے پہلے اور دُوسرے نکتے بطور نمونہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں،

آپیں کھیلوں آپ کھلاوں | آپیں آپس لے کل لاوں

میرا ناؤں مجھے ات بھائے   میرا جیو مجھے پر چائے
ہَیں آئینہ مجھ سوں مائے   دُوہری اپنیں رُوپ لبھائے

امین (۱)

گجرات کا درباری شاعر ہے۔ سکندر منجھو نے اس کا نام ملک امین کمال لکھا ہے۔ سلطان بہادر (سنہ ۹۳۳ھ - سنہ ۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (سنہ ۹۴۲ھ - سنہ ۹۶۱ھ) کے ندیمان خاص سے تھا۔ لطایف اور بدیہہ گوئی کے حکایات مراۃ سکندری میں مذکور ہیں۔ گجرات کے مشہور بزرگ شاہ عالم سراج الدین سیّد محمد حسینی (سنہ ۸۸۰ھ) سے اس کو خاص ارادت تھی، اس نے بہرام گور اور حسن بانو کے حسن و عشق کا فسانہ نظم کرنا شروع کیا تھا۔ جو نصف سے زیادہ انجام پاکر ناتمام رہ گیا تھا۔ لیکن بعد میں ایک دُوسرے شاعر نے جس کا تخلّص دولت ہے۔ اِسے تمام کیا۔ اختتام کی تاریخ یوم جمعہ یکم شعبان سنہ ۱۰۵۰ ہجری ہے۔

ابتدائی حصہ میں کئی جگہ امین نے اپنا تخلّص بیان کیا ہے۔

امیں حمد حق کر تو بے انتہا   بہ نعت محمد قلم کو چلا
امیں آستانوں کی اب خاک ہو   حشر کے عذابوں سو بے باک ہو

لہ مراۃ احمدی جلد دوم صہ ۴۱۔ مفتاح التواریخ صہ ۱۶۲

حمد و نعت کے بعد امین نے اپنے مرشد شاہ عالم کا اس طرح ذکر کیا ہے،

اہیں شاہ عالم ہمارے جو پیر   وہی روز محشر اندر دستگیر

دولت نے اس کے تمام کرنے کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے،

میں نے رکھا تھا اسے ناتمام   بزاں اسکو دولت کیا اختتام

سنہ یک ہزار اور پنجاہ میں   جمعہ روز شعبان اوّل ماہ میں

ابتدا اس کی حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الٰہی جہاں کا کرن ہار توں   غریبوں یتیموں کا ادھار توں

مرأۃ سکندری ص ۲۸۰ ص ۱۳۴ بلوم ہارٹ مخطوطات برٹش میوزیم نمبر ۳۴ قصہ بہرام گور اور حسن بانو ۱۳۰۰ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے۔

شیخ خوب محمد چشتی

گجرات کے مشہور بزرگ ہیں۔ شیخ کمال الدین محمد سیستانی کے مرید تھے ۱۴ شوال ۱۰۲۳ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ چوک احمد آباد میں فرحت الملک کی مسجد کے قریب آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ کسی معاصر نے ذیل کے فقرے سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ "خوب تھے"

آپ کی تصنیفات سے تصوف میں تین کتابیں مشہور و متداول ہیں۔ شرح جام جہاں نما، امواج خوبی۔ خوب ترنگ، پہلی دو کتابیں فارسی میں اور تیسری کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے۔

خوب ترنگ صوفیانہ مثنوی ہے۔ مصنف نے اپنے مرشد شیخ کمال الدین محمد سے جو ارشادات سُنے تھے۔ انھیں اس کتاب میں منظوم کیا ہے۔ دوشنبہ کے روز دوم شعبان ۹۸۶ھ کو اس مثنوی کی ابتداء ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ سب واقعات مصنف نے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

وارث محمد ہر ہر ٹھاؤں	شیخ کمال محمد ناؤں
اُن تھیں ہیں سُنیا دن رات	اُس موں یاد رہے کچھ بات
و جیو منجکوں آئی ترنگ	جمع کئے یو تس تس ڈھنگ
خوب ترنگ اس دیا خطاب	مدح رسول اللہ باب
نسخہ کی تاریخ اس ٹھانہ	پائے عدد ہر مصرع مانہ
خوب محمد کئے بچار	چودہ گھاٹ اُس برس ہزار
دوجا چاند تھا شعبان	دن دوشنبہ کیا بیان

مصنف ہی نے نثر فارسی میں اس کی شرح لکھی اور امواج خوبی اس کا نام رکھا ہے۔ یہ شرح جیسا کہ دیباچہ کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۹۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔

شمار سال شرح نعت احمد	دہم سال از دہم عشر از دہم صد

دیباچہ کے بعد عنوان ذیل کے ساتھ شرح کا آغاز ہوا ہے۔

آغاز خوب ترنگ با ترجمہ شرح نما کہ مسمیٰ است با مواج خوبی از بعضے منقولات حضرت شیخ کمال محمد رحمہم اللہ در معارف محمدیہ علیہ السلام،

مصنّف نے دیباچہ میں مثنوی اور شرح دونوں کے ناموں کی اس طرح صراحت کی ہے، اور مثنوی کی زبان کو عربی اور فارسی آمیختہ گجراتی بیان کیا ہے۔

این مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دادم، و شرح آں مثنوی کہ فارسی است امواج خوبی نام نہادم۔

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز ست ہمچناں گفتم،

محمد عاصم نام ایک بزرگ برہان پور میں گزرے ہیں۔ یہ صاحب شیخ نور اللہ رمز الٰہی خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کے مرید تھے۔ نظم فارسی میں خوب ترنگ کا شعر بہ شعر ترجمہ کیا اور نغمات حیات اس کا نام رکھا ہے۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۱۶۵ھ میں تمام ہوا۔

تا او از غیب آمد خوب ترنگ	شرح او امواج خوبی بیدرنگ
بود آں امواج خوبی چوں بہ نثر	عاصم آوردہ بنظم از راہ فکر
بود عاصم بے خبر از نظم و نثر	لیک آں بستن شد او را بکر فکر
در ہزار یکصد و ہم شصت و پنج	گشت ظاہر این لآلی گنج گنج

اس ترجمہ میں اصل ہندی مثنوی کی تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

ہست تاریخ شروع مثنوی	کہ بود اندر عبارت ہندوی
چاردہ کم بود در سال ہزار	ابتدا شد نسخہ از روئے شمار
دوم شعبان بود دوشنبہ روز	شد شروع این نسخہ بس دل افروز

شیخ محمد مخدوم نام ایک بزرگ ارکاٹ کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۱۵۵ھ

ہیں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اور میلاپور میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے خوب ترنگ کے بعض مشکل ابیات کی شرح لکھی ہے۔ اور اس کا نام مفتاح التوحید رکھا ہے۔ اس کا ایک نفیس نسخہ حال میں ہم نے دیکھا ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اس کے نام اور کتاب کے موضوع کی صراحت اس طرح کی ہے۔

"مفتاح التوحید در حل مشکلات و شرح معضلات مثنوی شیخ خوب محمد گجراتی"

ایتھے نمبر ۲۰۰۶ - اسپرنگر ص ۶۱۹ - مراۃ احمدی جلد دوم ص ۹۰
گلزار ابرار ص ۱۲۵ - اردو جلد نہم ص ۱۲۴ ۔ شیخ کمال الدین محمد شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد و خلیفہ تھے اور گجرات میں رہا کرتے تھے۔ سلطان مظفر شاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر گجرات سے مالوہ چلے گئے۔ دوشنبہ کے روز دہم شعبان ۱۰۰۹ھ کو آپ نے بمقام اوجین انتقال کیا۔
اسپرنگر نے امواج خوبی کی تاریخ تصنیف ۹۹۰ھ بیان کی ہے جو غلط ہے۔ امواج خوبی اور نغمات حیات کے خوشخط نسخے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن تصوف ۱۵۲۷

امین (۲)

محمد امین نام ہے۔ گجرات کے باشندے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے

زمانہ میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اُنھوں نے یوسف زلیخا کی داستان گوجری زبان میں منظوم کی ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ اس کے تین سو ورق تھے اس کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اوّل تعریف سُن خالق کی اے یار   کہ دونوں جہاں کا ہے نہار

خاتمہ میں سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اگیارہ سو اُوپر جب نو گذرے   برس ہجرت محمد مصطفےٰ کے

امین نے اس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ کو تمام ہوا ہے۔

اوّل قصیدہ فارسی تھا   سو ہر یک جا گا منے
پیچھوں لکھیا در گوجری   آیا امین کے دِل بھیتر
جب یک ہزار اُوپر ہوئے   ہجری کے نو و نو برس
تب اے جمادی الثانی میں   لکھیا قصیدہ از شکر
تاریخ بائیسویں اُتھی   روزِ جمعہ پیدا ہوا،
بارے خدا کے فضل سوں   پورا کیا وقتِ سحر

اسپرنگر صد ۶۰۱۔ مثنوی یوسف زلیخا سنہ ۱۲۷۲ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے۔ قصیدہ کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے۔

سلطنت قطب شاہیہ

سنہ ۹۱۶ھ — سنہ ۱۰۹۸ھ

۱۔ سلطان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۵۰ھ
۲۔ جمشید قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ	سنہ ۹۵۷ھ
۳۔ سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	
۴۔ ابراہیم قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	سنہ ۹۸۸ھ
۵۔ محمد قلی قطب شاہ	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ
۶۔ محمد قطب شاہ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۳۵ھ
۷۔ عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۰۳۵ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
۸۔ ابوالحسن تانا شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ

سلطان قلی قطب شاہ بانیٔ سلطنت قطب شاہیہ کے آباؤ اجداد اور ان کی سلطنت ایران کا مختصر تذکرہ۔ آل چنگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اُسے سلطان ابوسعید (سنہ ۷۱۶ھ تا سنہ ۷۳۶ھ) کے زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے اُمراء و صوبہ داروں

نے خودسر ہوکر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں فارس وکرمان پر آلِ مظفر (۷۱۵ھ–۷۹۵ھ) نے قبضہ کرلیا۔ عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکانیہ (۷۳۶ھ–۸۱۴ھ) کا سنگِ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ خراسان کے باغی جنھوں نے اپنا لقب برسرِ حکومت ہوکر بدار رکھا تھا۔ سبزوار پر قابض ہوکر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے۔ یہ سب سلطنتیں امیر تیمور (۷۷۱ھ–۸۰۷ھ) کے زمانہ تک قائم تھیں۔

دریائے وان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرانشین قوم آباد تھی۔ اُس کے دو طائفے تھے اور اُن کے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہُوا کرتی تھیں۔ اس لئے اُن کا نام 'قراقویون لی' اور 'اُق قویونلی' مشہور ہوگیا تھا۔ پہلا طائفہ 'قراقویون لی' زیادہ طاقت ور اور بااثر تھا۔ اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے رابطۂ اتحاد قائم کرکے آرمینیہ اور آذربائجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اس کی اولاد ۸۷۴ھ تک حکمراں رہی امیر تیمور نے یورش کرکے قرا یوسف (۷۹۰ھ–۸۲۳ھ) کے زمانہ میں تمام ملک فتح کرلیا اور قرا یوسف فرار ہوکر مصر میں پناہ گیر ہُوا اور ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوگیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آکر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد قزوین، ہمدان اور اصفہان فتح کئے۔ ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہوگیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا

لڑکا مرزا اسکندر برسرِ حکومت ہوا۔ اُس نے کم وبیش اٹھارہ سال حکومت کی۔ ۸۴۱ھ میں اس کے بیٹے مرزا قباد نے اُسے مار ڈالا۔ مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے۔ مرزا الوند، یار علی، قاسم بیگ، حسن بیگ، مرزا قباد۔ باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی۔ بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسرِ حکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رُخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اس کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ ۸۵۰ھ میں جب اس کا انتقال ہوگیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کرلی اور شاہ رُخ کی اولاد سے مُلک کے لئے لڑائیاں شروع کیں۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کرلیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کرلیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دے کر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی۔ اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۷۱ھ میں عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کی حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اس کے استیصال کا ارادہ کیا۔ لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ جہاں شاہ کو مار ڈالا۔ اور

قرا قویون لیوں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اس کا لڑکا اویس قلی برسرِ حکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ قرا قویونلی شہزادوں کا استیصال کیا۔ لیکن پیر قلی اور اس کی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بالاخر خفیہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۴ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسرِ حکومت ہوا تو قرا قویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انھیں چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا۔ اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لے کر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے سے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ کا ہمدان سے دکن میں آنا۔ پہونچا محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزّت و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا۔ اور اُسے شاہی چیلوں میں شامل کر کے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اس کی لیاقت کا علم ہُوا تو قطب الملک کا خطاب دے کر تلنگانہ کا صوبہ دار بنادیا۔ سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہوگیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر دوسرے صوبہ داروں نے خود سری

اختیار کرلی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور قطب شاہ

سلطنت قطب شاہیہ کا قیام۔ کا لقب اختیار کرکے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔ سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے۔ اور اس خاندان میں کم وبیش دو سو سال حکومت قائم رہی۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے گولکنڈہ کو فتح کرلیا۔ تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق۔ سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (۹۵۰ھ-۹۵۷ھ) کو شعروسخن سے غایت دلچسپی تھی ملا محمد شریف وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا، اس کے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خورشاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اس کے ندیمان خاص سے تھا۔ اس نے اپنے آقا کی فرمائش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے۔ جس میں ابتداء تخلیق عالم وآدم سے ۹۷۰ھ تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے پہلے مقالے میں قدیم سلاطین ایران وروم ویمن کے حالات ہیں۔ دوسرے مقالے میں جناب رسالت مآب اور آپ کے خلفاء اور خلفاء بنو اُمیہ وبنو عباس کا تذکرہ ہے۔ تیسرے مقالے میں اُن سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے۔ چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے۔ پانچویں مقالے میں امیر تیمور اور اس کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے مقالے میں قراقویونلی و

آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتواں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے، مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ برٹش میوزیم میں اس کا بہترین نسخہ موجود ہے[2] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اس کا انتخاب شامل کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[3]۔

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدر دان تھا، اس کے زمانے میں گولکنڈہ اہلِ علم کا مرجع ہوگیا تھا میر محمد مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخرالدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اِسی کے زمانے میں دکن آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انھیں وکیل السلطنۃ مقرر کر دیا تھا۔ کتاب[4] رجعت اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے اُن کا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[5]۔

مرزا محمد امین۔ شہرستان کے سادات سے تھا اس کے دربار میں میر جملہ

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۶۷ [2] ریو اول ص۱۰۱

[3] کرسٹمائی دی پرسان جلد دوم

[4] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۳۷ حدیقۃ العالم جلد اول ص۲۵۸ [5] ایتھے نمبر ۱۴۹۲ (۲۸)

کی خدمت پر مامور تھا یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے اس نے خمسۂ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں۔ شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں فلک البروج، مطمح الانظار یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ ان کے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اس کا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے۔[۱]

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اس کو سیر اور تاریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھ دیا کرتا تھا، شاعر بھی تھا غزل کے سوا قصائد اور مناقب خوب لکھا کرتا تھا۔ اس نے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اس کے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ کے آباو اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی، جمشید قلی، ابراہیم قلی، اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے۔[۲]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علم دوست

---

[۱] ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

[۲] ریو جلد اول صفحہ ۳۲۰

اور ارباب کمال کا قدردان بادشاہ ہوا ہے۔ شمس الدّین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اس کے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بزرگ شیخ بہاالدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے اُنھوں نے کتاب الارشاد اور جامع عبّاسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد تھیں[۱] اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے کفعمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائیؒ کے شاگرد تھے۔ نہج البلاغۃ کی شرح لکھی ہے[۲] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[۳] اسی بادشاہ کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے[۴] ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد اشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جس کا نام حدیقۃ السلاطین ہے۔

بادشاہ کا داماد سیّد نظام الدّین احمد سیّد معصوم کا فرزند تھا۔ سیّد معصوم ایسا جلیل القدر عالم تھا کہ اُسے اہلِ ایران استاد البشر کہا کرتے تھے۔ سیّد نظام الدّین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اس کے ریاضیات کا بھی جیّد عالم تھا۔ اس نے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

---

[۱] نجوم السماء ص ۲۸۳ [۲] محبوب الالباب ص ۱۱۲ [۳] ریو ص ۵۰۰ جلد اول [۴] ایتھے نمبر ۲۰۲۔ [۵] ریو ص ۳۲۲

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) اور اس کے دو جانشین سلطان محمد ۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ اور سلطان عبداللہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ زبان اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ۔ سلطان محمد قلی کا دیوان۔ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس میں آدھے سے زیادہ اردو کلام تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا۔[1] اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اس کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب نے ایک

---

[1] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان صفحہ ۱۷۹ لسان العصر ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر (۳) صفحہ ۱۱۸

مفصل مضمون لکھا ہے[1]۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات ہیں ۱۰۲۵ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ بھی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اس کے سر ورق پر سلطان محمد نے اپنے دستِ خاص سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

کلیاتِ اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی
مغفرت پناہ عمی عالی جناب محمد قلی قطب شاہ نواز اللہ مرقدہٗ
تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ
اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین اعنی بعد
الف من الہجریۃ فی دار السلطنت حیدر آباد حرس اللہ
عن الاضداد کتبہ العبد الخالص المولاہ سلطان محمد قطب شاہ
بلغ اللہ تعالیٰ فیما تمناہ۔

دیوان کی ابتدا میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں پچاس ہزار شعر کہے ہیں۔ علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اس دیوان میں پہلے مثنویاں ہیں ان کے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثیے۔ مرثیوں کے بعد غزلیں، اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالالتزم پہلے

---

[1] یہ مضمون رسالہ اُردو جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری ۱۹۲۲ء (ص ۱۳ تا ص ۳۶) میں شائع ہوا ہے، سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے،

فارسی پھر دکھنی کلام ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے کلیات کو مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اسکے کلام کی نسبت مولوی عبدالحق صاحب کی رائے ۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاص کر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھے۔ بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور ہر شخص جو شرافت کا دعویٰ رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدر دان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ ہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادلشاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے بھی اشعار درج ہیں۔ لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"اگر دو ایک شاعروں کو مستثنیٰ کر دیا جائے جن کا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے یہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعراء کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیّر اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرزِ ادا اور وہی بحریں ہیں۔ اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اُردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے۔"

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اُردو شعرا میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت و مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے۔ مثلاً متعدد مثنویاں پھلوں اور میووں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان

کیا ہے۔ دو مثنویاں سبزترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً آہی محل جناں محل، باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات، میلاد نبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے۔"

"اگرچہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن اُن سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پُورا اتباع کیا ہے اور وہ اس قدر وسیع النظر ہے کہ عشق و محبّت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دے سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور وقعت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جس نے اُردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ لکھا ہے۔ بلکہ حلقۂ تقلید سے باہر نکل کر جس میں اُردو شاعری ابتداء سے مقید ہو گئی تھی۔ کسی قدر آزاد روی اور جدّت کا مسلک اختیار کیا، اور اپنے مشاہدات کو کام میں لاکر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جس سے اُردو کے بعد کے شعرا بھی قاصر ہے۔"

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کا اُردو کلام۔ محمد سلطان اور سلطان عبداللہ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[1]۔ اُن کے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[2]۔ اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے۔ جسے ۱۰۷۹ھ میں اردستانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے۔ اور اس کا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]۔

تانا شاہ بھی زبان اُردو کا شاعر تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تانا شاہ کو بھی اُردو شعرا میں شمار کیا ہے۔ اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت اُن کے نام سے تحریر ہے[4]۔

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل بھیر اٹھ ہے

ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

عہد قطب شاہیہ کے اُردو شعر کہنے والے شاعر۔ گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانے میں اُردو کے بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہوں گے اس واسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے۔ اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اُن کے حالات پر

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ا ص ۲۸۹ رسالہ اُردو جلد دوم ص ۱۸ [2] حدیقۃ العالم جلد ا ص ۲۸۹ تا ص ۳۰۰ [3] ایتھے نمبر (۴۰۸۰)

[4] گلشن ہند ص ۶۵ تذکرہ میر حسن ص ۶۸ گل رعنا ص ۲۹۔

گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔[1] نہایت جدوجہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

قطب شاہی دور کے شعراء میں احمد، فیروز، محمود، اور وجہی سب سے قدیم ہیں۔ ان میں ملا احمد سلطان محمد قلی قطب شاہ کا درباری شاعر ہے۔

ملا احمد، ملا فیروز، ملا محمود۔

ملا احمد نے بادشاہ کی فرمائش سے لیلیٰ مجنوں کی داستان منظوم کی ہے۔[2] اس کے خاتمہ میں شعر و سخن کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے اپنے دو معاصر شعراء فیروز اور محمود کا تذکرہ کرتا ہے۔ پھولبن میں ابن نشاطی نے بھی ان کی اُستادی کا اعتراف کیا ہے۔[3]

نہیں وہ کیا کروں فیروز اُستاد　　جو دیتے شاعری کا کچھ میرے داد
رہے صد حیف جو نئیں سید محمود　　کتے پانی کون پانی دُودکون دُود

ملا وجہی

وجہی بھی اسی عہد میں گزرا ہے۔ اُسنے سلطان محمد قلی کی وفات سے دو سال قبل ۱۰۱۸ھ کے حدود میں ایک مثنوی لکھی ہے اور اُس میں مشتری کے ساتھ خود بادشاہ کی عشق و محبت کے حکایات بیان کئے ہیں۔ اس کی ابتداء ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

---

[1] گل رعنا صفحہ ۲۶ [2] اورنیٹل میگزین جلد دوم نمبر اول صفحہ ۲۰

[3] بلوم ہارٹ۔ مخطوطات انڈیا آفس نمبر ۱۳۲۔

توں اول توں آخر توں قادر ہے — توں مالک توں باطن توں ظاہر ہے
توں مخفی توں مبدی توں واحد سچا — توں تواب توں رب توں ماجد سچا
توں باقی توں مقسم توں ہادی توں نور — توں وارث توں منعم توں بر توں صبور

خاتمہ میں سنہ تصنیف کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

تمام اس کیا دلیس بارہ منے — سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

ملا غواصی

ملا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ہیں، ملا نصرتی نے گلشن عشق میں اُن کا تذکرہ کیا ہے۔

بری کچھ غواصی تبی کر خیال — کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (سنہ ۱۰۱۴ھ تا سنہ ۱۰۳۷ھ) بود۔ طوطی نامہ بخشی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بطور بکٹ کہانی سرسری دیدہ بودم۔ شعر آں نظم یاد نیست،

ملا نظام الدین احمد شیرازی نے حدیقۃ السلاطین کے نام سے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ لکھی ہے۔ اُس میں ایک موقع پر غواصی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے دربار کے دکنی شعراء میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ ۱۱۔ ذی القعدہ سنہ ۱۰۴۱ھ کو بادشاہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو غواصی نے کلمۂ محفوظ باد سے اس کی تاریخ نکالی اور اُسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

"وبہ شکرانہ، ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلماء وفضلاء وصلحا اکرام و احسان فرمودند و بفقرا و مساکین نقود و اجناس بسیار تصدیق نمودند و جمعی از شعرا و تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ وجلال خسرو یوسف جمال رسانیدند۔ ازاں جملہ ایں ـــ تاریخ مرقوم گردید۔ اوّل تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است۔ "آفتاب از آفتاب آمد پدید" وملا غواصی کہ در شعر دکنی از امثال خود ممتاز است ایں کلمہ را مادۂ تاریخ ساختہ است" محفوظ باد

سنہ ۱۰۴۵ھ میں سلطان محمد عادل شاہ نے ملک خوشنود کو ایلچی بنا کر گولکنڈہ بھیجا۔ اس کے جواب میں سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو بیجاپور روانہ کیا اور کچھ عرصہ کے بعد غواصی بیجاپور سے واپس ہوا تو محمد عادل شاہ نے میر زین العابدین کو ساتھ کر دیا اور اس کے ہاتھ بہت سے تحفے سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کئے۔ ملا نظام الدین احمد نے اس واقعہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"وبعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانۂ بیجاپور ساختند وبعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابوالحسن حاجب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی دو دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال

داشتند و مشارٌ الیہا بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند۔"

ملا غواصی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اس میں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور اجنہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے۔ غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور غواصی کے ایک عرصہ بعد اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خاں کی فرمائش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا اور گلدستۂ عشق نام رکھا۔ غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

برس یک ہزار ہور پنج تیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس کی ابتداء ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی جگت کا الٰہی سوتوں، کرنہار جسم بادشاہی سوتوں

ترے حکم تل نوکر اسمان کے رعیت ملک یترے فرمان کے

بھریا تس کر ان نیچ تارے حشم کریں نوبتاں سوں الٹگ دمبدم

(۲) طوطی نامہ۔ ملا ضیاء الدین نخشی کے فارسی طوطی نامے کا ترجمہ ہے اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ غواصی نے اس کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

برس یک ہزار ہور چالیس پو نو ہوئے تھے یو موتیاں پرو دیا ہوں تو

اس کے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدایا جو دانا ہے توں غیب کا | ہے ستار بندیاں کرے عیب کا
نہ آکار تجھ ہے نراکار توں، | نہ چون وچرا سوں وہرے کار توں
ترے راز سوں کوئی آگاہ نیں | تصرّف کو تیری طرف راہ نیں

حدیقۃ السلاطین صـ ۱۸۹ صـ ۲۴۹ حدیقۃ العالم جلد اول صـ ۳۴۳ میر حسن صـ ۱۲۰ ڈی ٹاسی جلد اول صـ ۴۹۴ ولسن صـ ۳۸۶ - ایتھے نمبر ۶۸۸ - ریو جلد دوم صـ ۶۴۲ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ۹۹ - بلوم ہارٹ برٹش میوزیم ۴۷ و ۵۴ لسان العصر جلد اول نمبر سوم صـ ۱۲۰

مثنوی سیف الملوک ۱۲۹۰ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اس میں اس کا تاریخی شعر اس طرح ہے۔

برس یک ہزار ہور ستا دس میں | کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اُس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۲۷ھ میں تمام ہوئی ہے۔ لیکن کئی وجوہ سے یہ تاریخ غلط ثابت ہوتی ہے۔ اولاً یہ کہ ہم نے جس قدر قلمی نسخے اِس مثنوی کے دیکھے ہیں ان میں یہ تاریخی مصرعہ اُسی طرح ہے جیسا کہ اصل مضمون میں اوپر نقل ہوا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس کے دیباچہ میں مصنف نے حکمران وقت سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح لکھی ہے۔ یہ بادشاہ ۱۴ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ کو تخت نشین ہوا ہے۔ (دیکھو ہند کے کتبات اسلامی بابت ۱۹۱۵ء صـ ۴۰) اس لئے اس مثنوی کا سلطان عبداللہ کی تخت نشینی سے پہلے ۱۰۲۷ھ میں تصنیف ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے۔

سیّد میران حسینی

سیّد میران حسینی گولکنڈہ کے مشائخین سے ہیں۔ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ ۵ جمادی الاول ۱۰۴۹ھ کو اُن کا انتقال ہوا۔ گولکنڈے کے دامن میں لنگر حوض کے کنارے مدفون ہوئے۔

شاہ محمد حسین کا تخلص جامی ہے سلطان محمد قلی قطب شاہ اہل دربار سے تھا۔ اس نے سنسکرت سے اخذ کر کے نظم فارسی میں کوک شاستر لکھی تھی۔ عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں سیّد حسین کی فرمائش سے جن کا لقب لاڈے حسینی ہے سید میران نے نظم دکنی میں اس کا ترجمہ کیا اور تحفۃ العاشقین نام رکھا۔

فارسی کتاب کی ابتداء اس بیت سے ہوئی ہے۔

کنم ابتدا من بنام خدائے | کہ پیداست از قدرتش دوسرائے

ترجمے کے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا | کہ قدرت سوں اسکے ہوے دوسرا
کروں ناز اُسی قدرت پاک پر | شرف دی سیہ خاک کوں سربسر
بہوت جہو شاں اُس نے پیدا کیا | خط دل پسند رنگ زیبا دیا
ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بو | ہر یک کون دی اخلاق پاکیزہ خو

کتاب کی اصل، تصنیف کی تاریخ اور اپنے نام کی صراحت سیّد میران

نے ابیات ذیل میں کی ہے۔

لکھیا تھا جو جامی نے در فارسی　　لکھیا ہوں میں ہندی میں جوں آرسی

ہزار دسی و پنج میں یہ کتاب　　ہو ہندی زباں سوں ہوئی انتخاب

کہ میران حسینی میرا نام ہے　　مخلص مسمّہ سنے عام ہے

تاریخ دکن صـ ۲۹۶ ریو جلد ۲ صـ ۶۸۰ ریو نے فارسی نسخہ کے مصنف کا نام محمد قلی جامی لکھا ہے اور اسے عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے۔

ملا قطبی

ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ اُنھوں نے سنہ ۱۰۴۵ھ میں تحفۃ النصائح کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ تحفۃ النصائح شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے۔ یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مُرید ہیں۔ اور اپنے فرزند صدر الدین ابو الفتح کی تعلیم کے لئے سنہ ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اس میں پینتالیس ابواب ہیں اور اُن میں فرائض و سُنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النصائح سات سو چھیاسی شعروں کا ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے۔ ملا قطبی نے اُسی بحر اور اسی قافیہ میں اس کا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے۔ فارسی

قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

حمد بگویم بے عدد | مر خالق جن و بشر،
کردہ معلق آسماں | ہم اختراں شمس و قمر
عظمے بدادہ عرش را | پرّد زپایش طائرے
چوں برق سالے چار صد | انگہ رسد پایۂ دگر

اس کا ترجمہ ملا قطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت | اس خالق جن و بشر،
نردھار کر اسمان رکھیا | سورج ستارے ہور چندر
جوں دی بزرگی عرش کوں | پنکھے اُڑے یک پا بیٹے
جوں بیچ برساں چار سو | انپڑے بڑاں پائے دگر

ترجمہ کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

ہجرت تھے دس سو سال ہوٗ | چالیس پر بھی پانچ اُتھے
تب یہ مرتّب سب ہُوا | تحفہ سود کنی ناموَر

تحفہ کے ہم نے کئی نسخے دیکھے ہیں بعض میں قطبی تخلص ہے اور بعض میں رازی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا قطبی نے دو تخلص استعمال کئے ہیں۔

ذیل کے شعر سے قطبی تخلص ظاہر ہوتا ہے۔

نازش جہاں ہیں میں کیتا | کیتا بُرائی کے جو بھی
قطبی دھریا اُمید یو | لایا ہوں سب صاحب نظر

اسی طرح بیت میں رازی تخلص آیا ہے۔

بندیاں میں سب کم تر بندہ — رازی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکنی زبان — شہ کی رضا لے سیس دہر

شیخ یوسف چشتی تحفۃ النصائح کے حالات کے لئے دیکھئے خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند ص۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سن وفات ۷۷۴ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔ کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے تقریباً اکیس سال بعد ۷۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

ابن نشاطی

ابن نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے۔ اُس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انھیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہے۔ میجر اسٹوارٹ نے اس کا سن تصنیف ۱۰۵۹ھ بیان کیا ہے۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کتب خانۂ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۷۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے۔ اس کے نام اور تاریخ تصنیف کی اس طرح صراحت کی ہے۔

صفا دار اس کی دیکھ ہر ایک چمن میں — رکھیا ہوں نانوں اسکا پھولبن میں

اتھا تاریخ لایا توں یہ گلزار — اگیارہ سو کوں کم کتے بلیس پر چار

اس مثنوی میں بادشاہ کی مدح کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

کروں تعریف میں اُس تاجور کا — سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا

شہاں کا شاہ عبداللہ غازی — اچھو جم حق سوں اُسکی پیش بازی

ابتداء اس شعر سے ہوئی ہے۔

خداوندا تجھے ہے جم خدائی — ہمیشہ تجکوں ساجھے کبریائی

محمد ابراہیم بیجاپوری نے سنہ ۱۱۷۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے دیباچے میں دکنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں جن میں پھول بن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (سنہ ۷۲۵ھ-سنہ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے پروفیسر ڈی ٹاسی نے اس کا سنہ ۱۰۴۹ھ بیان کیا ہے۔ لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے سنہ ۱۰۶۴ھ میں اس کا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد اول صفحہ ۲۵۶ اسٹوارٹ صفحہ ۱۸۰ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ۱۰۳، و ۱۲۲ ایتھے نمبر ۱۶۸۲ لسان العصر جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۲۲ ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ حاجی خلیفہ جلد دوم صفحہ ۵۰ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اُردو کے نمبر ۱۶۷ پر اس کا سنہ ۱۱۹۳ھ

کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ طوطی نامہ کے لئے دیکھئے
دوسرا ضمیمہ۔

جُنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اس نے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا۔ لیکن اس وقت کمیاب ہے یہ مثنوی سنہ ١٠٦٤ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اس کا سال تصنیف اس طرح بیان کیا ہے۔

نبی کی ہجرت کا یو تھا قرار　　　چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

استوارٹ ص ١٧٩

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اس نے سنہ ١٠٨١ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے۔ جس میں بہرام وگل اندام کا فسانہ مذکور ہے اور اس کا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خاتمہ میں ابوالحسن تاناشاہ کی مدح وستائش بیان کی ہے۔ شاہ راجو حسینی گولکنڈے کے مشہور بزرگ ہیں خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رح کی اولاد سے تھے۔ سنہ ١٠٦٣ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ ابوالحسن تاناشاہ جو سلطان

عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے۔ آپ کا مُرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے اس کے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کی ہیں اور انھیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے۔ ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اس نے نظامی اور ہاتفی کی طرح اس کا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصّہ بہرام و گل اندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ابتدا حسبِ ذیل بیت سے ہوئی ہے،

الٰہی بچن کا مجھے تاب دے — مری جیب کی تیغ کوں آب دے

اور حسبِ ذیل بیت میں تاریخ تصنیف مذکور ہے۔

انتھا سال تاریخ کا خوب نیک — سنہ یک ہزار و ہشتاد و ایک

اسپرنگر صہ ۶۳۹، اسٹوارٹ صہ ۱۷۹ ایتھے نمبر ۱۶۹۷۔ ڈی ٹاسی کا پانچواں خطبہ مشمولہ رسالہ اُردو، جلد سوم صہ ۵۲۲۔

شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی صہ ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عتائق ایران جلد سوم صہ ۳۲۷

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدرآباد میں رہا کرتے تھے۔ سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ۔ ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے

نوری اس کے دل کی کسی سے نہ کہہ سکا　　حاصل بھلا اب اس سے ڈرانے جو تھا سو تھا

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۸۸۲ میر حسن ص ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۹

نوری دو بزرگوں کا تخلص ہے۔ ایک نوری حیدر آبادی جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ دوسرے نوری "اعظم پور" کے باشندے تھے۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ۔ ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں۔ انھیں ملا فیضی سے بے حد ربط و ضبط تھا قایم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ میر حسن ص ۱۹)

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

پروفیسر ڈی ٹاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے اور نوری حیدر آبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو ایک سمجھ کر ان کے حالات مخلوط کر دیئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اُردو" پر لکھا گیا ہے اس میں بھی کاتب مضمون سے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا سنہ ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی ص ۲۲۷ مآثر الکرام ص ۱۹۹ ابو الحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد سنہ ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدۂ وزارت ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول ص ۳۹۷) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے۔ اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابو الحسن تاناشاہ (سنہ ۱۰۸۳ھ سنہ ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے سنہ ۱۰۹۴ھ میں اُس نے قصۂ رضواں شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ سنہ ۱۲۴۰ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ نثر فارسی میں تھا۔ بعض دوستوں کی فرمائش سے فائز نے نظم دکھنی میں اس کا ترجمہ کیا۔ ابتداء اس کی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اوّل نام حق کا لے بولوں سخن ــــــ بندوں اسکی توحید کھولوں دہن

تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ہے۔

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار — اُس اوپر نو دا اُسکے اوپر چہار

مثنوی کا نام قصۂ رضواں شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ہوا قصۂ رضواں شاہ کا تمام — نبی اور ولی پر ہزاراں سلام

اسپرنگر صـ ۶۰۶ اسٹوارٹ صـ ۱۷۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوط کے ضاد منقوط سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم صـ ۱۲۸۴ میں اس کا نام قصۂ روح افزا درج ہے جو غلط ہے اور کتب خانہ مذکور میں اس کا نسخہ فن قصص میں نمبر ۱۲۱ پر محفوظ ہے۔

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدرآباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تاناشاہ کے مصاحب ہو گئے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے۔ ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا تمن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن صـ ۱۲۳ سخن شعرا صـ ۲۴۰

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدرآباد کے باشندے تاناشاہ کے مقرب تھے اورنگ زیب عالمگیر نے جب حیدرآباد فتح کیا تو فقیر ہوکر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین ہوگئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں اُن کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا
سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا وہ نونہال کدھر مٹ گئے چمن،
لگتا تھا جن کے ہاتھ یہ گل ڈال سوں اچھا

تذکرہ شعرائے اُردو ص ۱۶۸

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ۸۹۵ھ ــ سنہ ۱۰۹۷ھ

(۱) یوسف عادل شاہ	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۱۶ھ
(۲) اسمٰعیل عادل شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۴۱ھ
(۳) ملو عادل شاہ	سنہ ۹۴۱ھ	
(۴) ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۴۱ھ	سنہ ۹۶۵ھ
(۵) علی عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۶۵ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۳۷ھ
(۷) محمد عادل شاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ	سنہ ۱۰۶۷ھ
(۸) علی عادل شاہ ثانی	سنہ ۱۰۶۷ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۹) سکندر عادل شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ

یوسف عادل شاہ کی اصلیت۔ سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے۔ کہ سلطان مراد

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم صـ۱۳ طبقات اکبری میں سنہ ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خاں نے سراج التواریخ میں سنہ ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین صـ۲۲

(۸۲۴ھ تا ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

محمد خاں و یوسف خاں ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہوگیا تو شاہزادہ محمد[1] بر سرِ حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لئے آئندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔ اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔ افسران سلطانی شاہزادۂ یوسف کے لئے اس کی ماں کے یہاں گئے۔ تو اُس نے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کے ساتھ اس کے حوالے کر دیا۔ تاکہ اُسے دار الحکومت سے لے کر فرار ہو جائے۔ اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اس کی لاش افسران سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپردِ خاک کیا گیا۔ اور خواجہ عماد الدین شاہزادہ یوسف کو لے کر اُسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر ساوہ میں پناہ گزیں ہوا۔

---

[1] سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اس کا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمراں رہا ہے اس نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اُس کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

یوسف عادل شاہ کا ہندوستان میں آنا۔ خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے۔ اس کے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔ بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۲ھ میں مصطفیٰ آباد دابل پر اُترے۔ اور یہاں بہمنیوں کے دارالسلطنت احمد آباد بیدر میں آ کر خواجہ محمود گاواں کے مہمان ہوئے۔ محمود گاواں نے یوسف کی سرگزشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کر کے اُسے شاہی چیلوں میں شامل کرا دیا۔ شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس لئے محمد شاہ بہمنی (۸۶۷ھ – ۸۸۶ھ) کے دربار میں اسے بے حد تقرب حاصل ہو گیا یہاں تک کہ ۸۸۳ھ میں بادشاہ نے اُسے جنیر کا صوبہ دار بنا دیا۔ اس کے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا۔ اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ محمود شاہ بہمنی (۸۸۶ھ – ۹۲۴ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہو گئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اس نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دے کر اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسرِ حکومت ہوئے۔ اور اس خاندان میں کچھ کم دو سو برس حکومت قائم رہی۔

سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی۔ یوسف عادل شاہ اور

اس کا جانشین اسمٰعیل عادل شاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ان کا کلام نقل کیا ہے اور اسمٰعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ

"ہیچ یک از سلاطین دکن متانت و لطافت او سخن نہ گفتہ۔

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ بادشاہ ہوئے ہیں یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے۔ ان کے عہد میں عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کرلی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل حادی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزار ہا روپیہ صرف کرکے شیراز سے بلایا تھا۔ اس کا وزیر افضل خاں شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اس کی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علماء و فضلا جمع ہو گئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علماء و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے

---

[1] یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہو کر بیدر میں آنے اور بیجاپور میں برسر حکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گزرے ہیں ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۲ منتخب اللباب جلد سوم ص۳۵۰ بساتین السلاطین ص۵ ہنری کرزن کی انگریزی کتاب آرکی ٹیکچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہُوا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اس نے اپنے زمانے میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں اس کے دربار میں بڑے بڑے اہلِ کمال جمع تھے۔ مثلاً نورالدین ظہوری جس کی نظم و نثر ساری دُنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جس نے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھ کر بادشاہ سے اس کے صلہ میں ایک بارشتر زرطلا حاصل کیا ہے۔

حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و نظیر تاریخ فرشتہ لکھی ہے۔

عبدالرشید البتگی جس نے بادشاہ کی فرمائش سے علاء الدین محمد بن زکریا قروینی کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

ملا رفیع الدین شیرازی جس نے بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادل شاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرۃ الملوک کے نام سے تصنیف کی ہے۔

شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ

ثانی بر سرِ حکومت ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آباو اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اس نے بادشاہ کے حکم سے خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادل شاہیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے تھے، بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اس کا تکملہ لکھا اور اس میں محمد عادل شاہ کے حالات تحریر کئے۔ علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اسد ولد قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشاپرداز گذرے ہیں انھوں نے علی عادل شاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے۔ اور اس میں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفیٰ ہیں۔

سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اُردو

سلطنت عادل شاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اُردو زبان عام ہوگئی تھی۔ امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا۔ لیکن یوسف عادل شاہ اور اس کے فرزند اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا۔ کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی۔ ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت کو حاصل کیا تو اس نے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبان اردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی۔ مورخ خافی خاں نے اس واقعہ کو مندرجہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جدو
پدراو قرار دادہ بودند برطرف نمودہ بدستور سابق
ہندوی مقرر نمود"[۱]

علی عادل شاہ اول (سنہ ۹۶۵ھ سنہ ۹۸۸ھ) نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروّج کیا۔ لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (سنہ ۹۸۸ھ سنہ ۱۰۳۷ھ) حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر زبان اُردو جاری ہوگئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی۔[۲]

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی۔ خاص کر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گویّے اُسے "جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اُس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد و ضوابط قلم بند کیے تھے۔ اور اس کا نام نورس نامہ رکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اس پر دیباچہ لکھا تھا۔ جو اس وقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی عادل شاہ ثانی کو زبان اُردو سے بیحد دلچسپی تھی اس کے زمانے میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا۔ اُردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے۔

---

۱ منتخب اللباب جلد سوم ص ۴۰۷ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۷

۲ بساتین السلاطین ص ۲۴۹ سلسلہ آصفیہ جلد چہارم ص ۴۲۵

بادشاہ ان کے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور اُن سے اُردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور ان کے صلہ میں رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ مورخ خافی خاں نے لکھا ہے۔

"بادشاہے بود باہوش سپادوست و در سخاوت و شجاعت وسعتِ خلق مشہور۔ فضلا و صلحا را دوست داشتے۔ و شاعران را حرمت نمودے خصوص در حق شاعران ہندی زیادہ مراعات میفرمود در عہد او ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمۂ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مد مالت کہ عاقل خاں خوافی بہ نظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعران بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر در خور سلاطین یافتند۔

و از جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعرے بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آلہ الطاہرین نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعرے نہ گفت و مرثیہ بیشمار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ روزے علی عادل شاہ میرزا را بحضور خود طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود۔ زبانی کہ برائے حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ بہ حکم من نہ ماندہ۔ بعدہ کہ مکرر

سلطان کیفیت نمود یک دو مرتبہ از زبان سلطان بجائے اسم خود تخلص علی عادل شاہ قسمی داخل نمود کہ ذو معنی واقع شدہ ہے[1]

ابراہیم زبیری نے علی عادل شاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند از اں طبقہ یکے میاں نصرتی است کہ بہ نصرت وقار و مساعدت ذہن ثاقب تیغ زباں کشیدہ فتح اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شدہ"[2]

حاکم شاہ نور نواب دلیر جنگ بہادر کے حکم سے میر احمد علی خاں نے ۱۲۷۷ھ میں سلاطین بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام گلدستۂ بیجاپور ہے۔ اس میں علی عادل شاہ ثانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے درباری شعراء کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔

"شعر گویان تازہ خیال اس بادشاہ نکتہ سنج کے دربار فیض بار میں حاضر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ میاں نصرتی کہ خیال رنگین و اشعار تازہ مضامین اُس کے مقبول خاص

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۵۹ صفحہ ۳۶۰

[2] بساتین السلاطین صفحہ ۳۲

عام کے ہیں اور شعرائے زماں میں ملک الشعراء سے مشہور ہے اور طبع زاد سے اپنے کتاب گلشن عشق اور علی نامہ نام سے اُس شہریار عالی وقار کے تصنیف کیا ہے جو کوئی نسخہ زبان ہندی میں اس خوبی اور تازہ مضمونی سے نہیں بنا ہو گا۔

ملا نصرتی شاعر ہندی گو تھا۔ و شاہ نور اللہ و مرزا مقیم و مرزا دولت شاہ و حکیم آتشی اکثر فارسی گو تھے اور ہندی شعر بھی کہتے تھے۔ اور سوائے اُنھوں کے بہت شعرا فارسی گو اور ہندی گو بھی تھے۔ چنانچہ ایک ان میں سے ہاشمی تھا۔ کہ احسن القصص کو زبان ہندی سے شعر پردازی کر کے داد سخن کا دیا ہے اور رسالہ نجات نامہ بھی نتائج طبع سے اُس کے ہے اور عبد الطیف و عبد النبی اکثر قصائد بفصاحت و بلاغت تمام زبان فارسی سے کہے ہیں، الغرض اس شہریار عالی تبار کے عصر میں بیجاپور معمور تھا۔ اور شعراء و فضلاء و زہاد و صلحاء و اولیاء و جمیع اہل فنون بارگاہ سلطنت میں اُس کے حاضر تھے۔ [1]

دربار عادل شاہی کے شعراء کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز

---

[1] گلدستہ بیجاپور طبع شاہ نور سنہ ۱۲۷۹ھ ص ۷۶ ص ۷۷ ص ۷۸۔

ہوگی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے ان کے نام تک ناپید ہوگئے ہیں بعض نام تاریخوں میں ضمناً آگئے ہیں۔ بعض کا پتہ اُن کی تصنیفات سے چلا ہے جو زمانہ کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ذیل کے شعراء نے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے

شعرائے بیجاپور

شاہ میران جی شمس العشاق

آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں۔ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب نے شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ جمال الدین خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے خلفاء سے تھے۔

حضرت میران جی نے بارہ حج کئے اور یوسف عادل شاہ کے عہد میں آکر بیجاپور میں سکونت اختیار کی۔ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا گنبد حصار بیجاپور کے باہر شاہ پور میں ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔

مرزا فصیح الدین خاکسار المعروف بہ بابا سنجبل جو تصوف اور شعر و سخن میں سر آمد روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ حضرت میران جی نے اُردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے اسرار و نکات کو بیان کیا ہے۔ منجملہ اُن کے

نظم میں دو رسالے زیادہ مشہور ہیں۔ گنج عرفان اور شہادۃ التحقیق۔ گنج عرفان چھوٹا سا رسالہ ہے۔ جس میں نو باب ہیں اور ان میں عرفان کے اہم مسائل مثلاً روح کی حقیقت، مراقبہ عقل و عشق کا مناظرہ موحد و ملحد کا فرق اور اسی نوعیت کے دیگر مضامین ہیں۔ شہادۃ التحقیق میں اخلاق و تصوف کے رموز و حقائق کا تذکرہ ہے۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور ص ۱۲۱۔ تاریخ خورشید جاہی ص ۱۸۳
رسالہ اُردو جلد ہفتم ص ۱۷۱، رسالہ گنج عرفان سنہ ۱۲۸۱ھ میں
بمقام شاہ نومنی رام کے مطبع میں طبع ہوا ہے۔

ملک خوشنود

سلطان محمد عادل شاہ کا درباری شاعر ہے۔ یہ اصل میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کا حبشی غلام تھا۔ سنہ ۱۰۴۲ھ میں محمد عادل شاہ کے ساتھ امیر محمد امین ابن ابراہیم قطب شاہ کی دختر فاطمہ سلطانہ شہربانو بیگم کا عقد ہوا اور دُلہن گولکنڈہ سے بیجاپور کو روانہ ہوئی تو سلطان عبداللہ نے اس کے جہیز میں ملک خوشنود کو بھی شامل کر دیا۔ اور اُس نے اپنے خدمات لائقہ اور حسن کارگزاری کے باعث بادشاہ اور ملکہ دونوں کے یہاں حد سے زیادہ تقرب حاصل کر لیا یہاں تک کہ امور سلطنت میں رازداری کے مواقع پر حجابت کے فرائض بھی انجام دینے لگا۔ چنانچہ سنہ ۱۰۴۵ھ میں ایسے ہی موقع پر عادل شاہ نے اسے ایلچی بنا کر سلطان عبداللہ کے یہاں

روانہ کیا۔ اس حجابت کا واقعہ یہ ہے کہ خواص خاں عادل شاہی سلطنت کے اُمرائے عظام میں سے تھا۔ اور محمد عادل شاہ کے عہد میں اسے ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ کہ سلطنت کے سیاہ و سپید کا مختار بن بیٹھا تھا۔ محمد عادل شاہ نے جب اس کے استیصال کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان عبداللہ نے اس موقع پر امداد روانہ کی۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے عادل شاہ نے بیجاپور سے ملک خوشنود کو سلطان عبداللہ کے یہاں گولکنڈہ بھیجا اور جب وہ گولکنڈہ سے واپس ہوا تو سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ ان تمام واقعات کو ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

و ملک خوشنود کہ از ملکان این دولت خانہ گیتی نشانہ بود و در وقت ارسال پالکی زرنگار مبارکہ بلقیس الزمانی او را داخل ملکان و خواجہ سرایاں جہاز کردہ بودند و در راہ بیجاپور از وفود خدمات شایستہ از خواجہ ہائے دیگر امتیاز بہم رسانیدہ بود و در خدمت ملکہ عالمیان قرب و منزلت زیادہ یافتہ بواسطہ شکرگزاری امداد و اعانتی کہ واقع شدہ بود با تحف و ہدایا و سہ زنجیر فیل و شش راس اسپ فرستادند۔

و بعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص

خاں حضرت عادل شاہ میرزین العابدین پسر شاہ ابوالحسن
حاجب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل
بزرگ دشتش سراسپ عراقی و دو صندوق مقفل از
تحف وہدایا ارسال داشتند و مشار الیہما بشرف بساط
بوسی مشرف و سرفراز گردیدند۔

ملک خوشنود نے سلطان محمد عادل شاہ کی فرمائش سے ۱۰۵۰ھ میں ہشت بہشت کا دکنی میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ہشت بہشت امیر خسرو کی مشہور مثنوی ہے۔ اور اس میں بہرام گور کا افسانہ مذکور ہے۔ ترجمہ کی ابتداء حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

سراؤں تجھ جو توں ہے پاک معبود　　ہُوا سب خلق و عالم تجھ سوں موجود

حدیقۃ السلاطین ص ۲۴۷ و ص ۲۴۹ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم
نمبر (۵۰) بلوم ہارٹ نے ہشت بہشت کے مصنف کا نام
محمد شاہ لکھا ہے جو غلط ہے۔

رُستمی

رُستمی کا نام کمال خاں اور اُس کے والد کا نام اسمٰعیل خاں ہے۔ باپ اور بیٹے دونوں سلاطین عادل شاہیہ کے دربار میں دار الانشاء کی افسری پر مامور تھے۔ اور بادشاہ نے انھیں خطاط خاں کا خطاب دیا تھا ڈی ٹاسی نے اس کا تخلص رسمی لکھا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے۔

رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہر بانو بیگم کی فرمائش سے ۱۰۵۹ھ میں خاور نامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیگم امیر محمد امین ابن سلطان ابراہیم قطب شاہیہ کی دختر تھی۔ ۱۰۴۲ھ میں بہ عہد سلطان عبداللہ قطب شاہ ابوالمنصور سلطان محمد عادل شاہ کے ساتھ اس کا عقد ہوا تھا۔

خاور نامہ نظم میں بہاور شاہ نامہ فردوسی کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس میں امیرالمومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہیں۔ محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۸ھ میں اسے تصنیف کیا ہے اور اس کے باعث اس نے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے۔ ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۳۷ھ اور خوندمیر نے ۸۹۳ھ لکھا ہے۔ لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے۔

بلوم ہارٹ نے خاور نامہ کی ابتداء اور اختتام کے حسب ذیل ابیات نقل کئے ہیں۔

آغاز

اوّل جب کیا یو کتاب ابتدا — بندیا بات میں نقش نام خدا
جو صاحب ہے او عقل ہور جان کا — کیا دین بخشش او ایمان کا،
او ہے ایک صاحب اپر ہور تکیں — جو ہستی پر اس کی گواہیں ہمیں

خاتمہ

خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام — ہوا خاوران پر قصہ سب تمام
اس اوپر بہوت گزرے گا روزگار — اچھے گا یو دنیا میں ہو یادگار

تواس نامے کوں نام شاہ جان   دوجے ناماں پر شاہ دلخواہ جان

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۵۶۹ ۔ ایتھے نمبر ۸۹۶ ۔ ریو جلد دوم ص ۶۲۴ ۔ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۵ ۔ حدیقۃ العالم جلد اول ص ۳۲۳ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۲۳۹ ۔

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے ان کے آباد اجداد بیجاپور میں فوجی ملازم والد رکاب شاہی کے سلحدار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت مآب   قدیم یک سلحدار جمع رکاب

نصرتی کے بھائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں ان کا شمار ہوتا ہے نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادریؒ کی درگاہ میں ان کا مزار اب تک موجود ہے۔

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادل شاہ کے (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی۔ علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں۔ ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے۔ مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق

(۳) گلدستۂ عشق۔ یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں پروفیسر ڈی تاسی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے۔ اس میں نصرتی نے علی عادل شاہ کے سوانحات و فتوحات اور مجالس عیش و طرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور اُن کے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بھی درج ہیں۔ مارے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اس کا نام تاریخ علی عادل شاہ لکھا ہے۔ لیکن خود نصرتی نے شاہ نامۂ دکن کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوں کیتا سخن مختصر بے گماں — کہ یو شاہنامہ دکن کا ہو جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اس میں سنہ تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۷۶ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ اس میں سب سے اخیر واقعہ پنالہ کی فتح کا مذکور ہے۔ اور اس مقام کو علی عادل شاہ نے ۱۰۷۶ھ میں فتح کیا ہے اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے بھی دکنی زبان میں ایک تاریخ کہی ہے۔ جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

علی نامہ کی ابتداء ایک قطعہ سے ہوئی ہے جو درج ذیل ہے۔

حمد اوّل ہے خدا کا کہ جن نے روز ازل — دیا ہے ہمت مرداں کوں جوں توفیق سوں بل

رکھیا اس فتح کے نامے کا علی نامہ ناؤں — جس کا ہر رزم ستم کے گلے کا ہوئے اسیکل

اس کے بعد مثنوی کا آغاز مندرجہ ذیل بیت سے ہوا ہے۔

سرانا سری اُس سکت دار کوں — کہ ادھار ہے ان ترا دھار کوں

خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے۔

اتا نصرتی ختم کر یو کلام — دعا سوں ہے تج مدعا، تمام
الٰہی جلگ تیغ سوں آفتاب — دبا دے ستارے کوں زک مو پو آب
تلک جس سوں یو شہ مظفر اچھو — وزیاں پر سدا تیغ تس ور اچھو

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے اس میں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

دھریا اس کی تاریخ کا جب خیال — دیا ہاتف غیب معجز مقال
کہیا اس کی تاریخ میں ہجرتی — "مبارک ہے یو ہدیہ نصرتی"

اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں۔

صفت اسکی قدرت کی اول سراؤں — دھریا جس نے یو گلشن عشق ناؤں
کہا کر کرم عشق کا تس اکھال — یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال
عجب کوئی توں باغبان جہاں — جو صنعت میں تجھ چل سکے نا زباں

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو ۱۰۶۵ھ میں فارسی میں نظم کیا اور مہر و ماہ اُس کا نام رکھا ہے۔

حدیث روشن دل خواہ گویم — سخن از عشق مہر و ماہ گویم
کنم عشق منوہر را اکتاب — وہم از نام مہر آنرا خطابے
نوائی حسن مدمالت سرایم — دلے از پردۂ ماہش نمایم

زہجرت یک ہزار و شست و پنج است　　　کز یں غم خانہ طبعم نکتہ سنج است
چو من این داستان از غم زدم دم　　　بخواں تاریخ آں "دیباچۂ غم"

خافی خان نے گلشن عشق کو اسی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے۔ لیکن نصرتی نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ یا اُس سے ماخوذ ہے۔

قصائد و غزلیات کے مجموعے اس وقت ناپید ہیں۔ لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں موجود اور مروج و متداول تھے اور اُن میں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے دُوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصنیفات میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جس کے ایک سو اکیس شعر ہیں۔ اس میں معراج کے حالات مذکور ہیں جس کے باعث وہ معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قصیدہ سلطان محمد عادل شاہ (سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے۔ اس کے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و ستائش کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اس طرح لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی　　　نغز نول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر　　　پڑ اچھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے جو سنہ ۱۰۸۳ھ میں بمقام اکبر آباد مکتوب ہوا ہے۔ اور چند اشعار اس سے انتخاب کر کے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا سنہ ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اور اُن کی لاش سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور اُن کی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۴۸۵۔ اسٹوارٹ ص ۱۷۸ و ص ۱۷۹ اسپرنگر ص ۶۳۰ مارلے ص ۷۹ ولسن جلد دوم ص ۳۹۰ ایتھے نمبر ۱۶۳۴ بلوم ہارٹ۔ انڈیا آفس نمبر ۳۶ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷۔ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم۔ نمبر ۴۵ و ۴۶۔ ریو جلد دوم ص ۷۰۰ جلد سوم ص ۳۰۰ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶۰ بساتین السلاطین ص ۴ و ص ۳۷۰ و ص ۴۳۰ و ص ۴۳۸ گلدستہ بیجاپور ص ۷۶ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم ص ۱۶۵ گل رعنا ص ۲۶ و ص ۷۹ لسان العصر جلد اوّل نمبر ۳ ص ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم۔

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور سلطان علی عادل شاہ (سنہ ۱۰۶۷ھ سنہ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں۔ اُنھوں نے ایک رسالہ مسائل دین کے متعلق نظم دکنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور سنہ ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

یو مسلیاں کوں دکنی کیا اس سبب　　فہم کر کے دل میں کرے یاد سب
سو یو شیں الف ہے و میم لام کاف　　فرس کوں دکنی میں بولیا ہے صاف
سن یک ہزار ہور ستر پو سات　　کیا تھا اسی سال میں یو نکات

اس کی ابتداء اشعار ذیل سے ہوتی ہے۔

آلہی دے توفیق توں انسان کوں ۔۔۔ کریں بندگی تیری دل جان سوں
توں پیدا کیا محض بندگی کے تئیں ۔۔۔ سواد چھوڑ ٹکرے ہیں گندگی کے تئیں

بلوم ہارٹ نے اس رسالہ کا نام شریعت نامہ لکھا ہے۔ لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۰۰ھ کا لکھا ہوا ہماری نظر سے گذرا ہے اس کے خاتمہ پر اسکا نام احکام الصّلوٰۃ تحریر ہے۔

بلوم ہارٹ۔ انڈیا آفس نمبر (۳)

امین

امین۔ شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے۔ آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں شاہ میران جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مُریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے۔ میں نے اس کا ایک نسخہ ویلور میں دیکھا ہے جس کا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اس میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ منجملہ ان کے بعض مثنویوں کے نام یہ ہیں۔

رموز السالکین۔ محبت نامہ۔ مفتاح التوحید۔ رسالہ قربیہ۔ رسالہ وجودیہ

وغیرہ۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۱۲۲ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۸۴۔

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادل شاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ سنہ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انھوں نے سنہ ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے اس کے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے۔ مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں۔ سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے۔ سنہ ۹۱۰ھ میں اُن کا انتقال ہُوا ہے۔ انوار سہیلی۔ اخلاق محسنی۔ تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام کتاب ہے۔ سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرا نے ان واقعات کو منظوم کیا ہے اور ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

ڈی تاسی جلد سوم صفحہ ۱۲۳۔ اسٹوارٹ صفحہ ۱۸۱۔ آب حیات صفحہ ۴۲

لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۶ حبیب السیر۔ جلد سوم۔ جز سوم صفحہ ۳۴۰۔

مُومن

ان کا نام عبدالمومن ہے۔ چیناپٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے۔ جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادل شاہی عملداری میں شامل تھا۔ مُومن مہدوی مذہب کے پابند تھے۔ انھوں نے عشق نامہ کے نام سے دکنی میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے۔ اور اس میں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات و کرامات تحریر کئے ہیں یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں کتاب کا نام اور اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

کہ جس کے فیض کا لے پاک خامہ	لکھیا میں ختم کر یو عشق نامہ
ہوا جب یو مبارک ختم مجھ قال	ہزار ایک ہور نود پر تین تھے سال

ابتدا کے چار بیت یہ ہیں۔

لکھا تو حمد اُس معشوق کا آج	کیا جی عاشقاں کیرا انول ساج
انا المحبوب کا کر جشن عام آں	بٹھایا عشق کا نازک پیام آں
اتم الفقہ کیرا اجلہٗ خاص	محبّت سوں سنواریا بخش اخلاص
تجلّی باج ادخالی نہو سی	کہ ہے وہ جلوہ گاہ نوعروسی

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کُتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ (فن سوانحعمری نمبر ۲۵۰) اس کی کتابت ۱۱۱۳ھ میں تصنیف سے بیس سال بعد ہوئی ہے اور اس کے خاتمہ پر فارسی

زبان میں ایک قطعہ تاریخ درج ہے۔ اس میں کتاب کو "اسرار عشق" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میران اور وطن بیجاپور ہے۔ علی عادل شاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ - سنہ ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گزرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے۔ شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے سنہ ۱۰۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے۔ خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہی سے کم و بیش ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یہ قصہ کو تو ہزار اک برس پر تھے نو دیو نو

اس میں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اس کا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہے سگل عشق جسکا یو ستار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اورنیٹل سوسائٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ جس میں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رُباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اس وقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں جس قدر غزلیات ہیں ان کا بیشتر حصہ ریختہ کے بجائے ریختی میں ہے اور اس میں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات سنہ ۱۱۹۰ھ تحریر ہے۔ لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مُرید اور علی عادل شاہ کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے۔ مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے سنہ ۱۱۹۰ھ کے سنہ ۱۰۹۰ھ قرار دے کر اس کی تصحیح کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ سنہ ۱۰۹۰ھ کے نو سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے۔ حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ سنہ ۱۱۰۹ھ ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگان نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے

ونیز از جملہ ہندی گویاں آزماں یکے میاں ہاشمی است کہ فیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہٗ زبان شیریں بیان کشادہ از سخن دراں گوئے سبقت ربودہ قصہ

یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زماں بزبان دکھنی نظم نمودہ و
دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلازمات شعریہ ہم دارد
کہ مقبول طبایع افتادہ دور شعر طرازی نادر روشنی عزیب
درزیدہ کہ کسی بر دسبقت نہ کرد باوجودیکہ بصیر مادر زاد
بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتب خانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ص ۶۶ بساتین
السلاطین ص ۴۳۲ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶۰ ترجمۂ
انوار سہیلی ص ۱۱ روضۃ الاولیا ص ۹۴ تذکرۂ شعرائے دکن
جلد دوم ص ۱۲۰۲ گل رعنا ص ۲۷ لسان العصر جلد اول ص ۱۴۱

مرزا

انکا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادل شاہ ثانی ۱۰۶۷ھ ۱۰۸۳ھ کے معاصر
ہیں صرف مرثیے اور نعت و منقبت کہا کرتے تھے انھوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا
بادشاہ کی مدح و ستایش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادل شاہ نے اُن سے اپنی مدح
کہنے کی فرمائش کی۔ اور اس پر مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اس میں اپنے
تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کردیا۔ مرزا نے علی عادل شاہ کے زمانے میں وفات
پائی ہے ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا نے محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی،
علی الصباح طہارت کیلئے باہر نکلے تو ان کے کسی دشمن نے خنجر سے شہید کردیا۔ دن نکلنے کے بعد جب
شہر کے علم اور تعزیے نکلے تو اُن کے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ
قادری کے مقبرے میں ان کی لاش سپرد خاک کی گئی۔

منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶۰ بساتین السلاطین ص ۱۴۴ گل رعنا ص ۲۷

شعرائے دکن
مغلوں کے عہد حکومت میں

دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ سنہ ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اس کے بعد شاہان مغلیہ کی پے در پے یورشیں شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ سنہ ۱۱۱۷ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا۔ ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اس کے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح کیا۔ اور اس طرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اُردو کے ساتھ بے حد مراعات کئے جاتے تھے۔ اور انھیں اپنی تصنیفات کے صلے میں ہزار ہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا۔ اُمراء و سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق

پیدا کیا تھا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اُردو شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اُردو دکن میں عموماً اور مسلمانان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہو گئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبان اُردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اُردو شعر و شاعری کھیل گئی تھی۔ اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اس کی طرف رجوع ہو گئے تھے۔ اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان عام کے باعث اس کو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

مُغلیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعراء نے شہرت حاصل کی ہے اُن کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مقیمی

دکنی شاعر ہیں۔ عالمگیری فتوحات کے زمانہ میں کرناٹک میں گزرے ہیں ان کی تصنیفات سے دو چھوٹے چھوٹے فسانے موجود ہیں۔

(۱) قصہ چندر بدن و ماہ یار۔ ماہ یار ایک مسلمان تاجر کا لڑکا تھا۔ چندر بدن۔ راجہ رنگاپتی والی سندر پٹن کی دختر تھی۔ دونوں کے حسن و عشق کا فسانہ اس میں مذکور ہے۔ مقیمی نے اسے ۱۰۹۸ھ میں نظم کیا ہے۔ اور تاریخ

اس طرح بیان کی ہے۔

صدی بارہویں میں تھے کم سال دو　　لکھیا نظم کوں میں تے با طرز نو

ابتدا اس کی حسب ذیل ابیات سے ہوئی ہے۔

خدا کوں سزاوار کیسہ ومتی　　کہ قادر ہے قدرت کا صاحب دہنی
جو پھونکیا ہے آدم میں یک روح کوں　　سنبھالیا ہے طوفاں ستے نوح کوں
کیا نار گلزار رب الجلیل　　کہ نمرود کے ہاتھ بنچیا خلیل

(۲) قصہ سوہار۔ یہ ایک غریب دہقان کا فسانہ ہے اور اس میں دیہاتی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں۔ اس کی ابتداء ابیات ذیں سے ہوئی ہے۔

رحیما تو خلاق و رحمان ہے　　نرنکار بیچوں تو سبحان ہے
اندھیارا کرے اور اُجالا ستی　　جو جیتا نہ توں وہ کبھو مو نہیں
فلک ہور زمیں کا ہے یک شاہ توں　　بنایا ملک ہور فلک ماہ توں

ڈی ٹاسی جلد اول ص۵۴۷ جلد دوم ص۲۹۱ اسپرنگر ص۶۲۵۔

بلوم ہارٹ انڈیا آفس ع۱۰۰ بلوم ہارٹ نے اس کو عزیز کی تصنیف بیان کیا ہے اور عزیز کو غواصی شاعر قطب شاہی کا دوست بتاتا ہے۔ بلوم ہارٹ نے یہ باتیں غالباً قصہ چندر بدن حسب ذیل ابیات سے اخذ کی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سے بلوم ہارٹ کے بیان کی تائید نہیں ہوتی۔

طبع کی غواصی سے باندھیا ہوں میں　　سخن لیکے نکوے سے سانڈھیا ہوں میں
بنایاں سے قصہ کی سن اے عزیز　　سخن ہیں یہ موزوں سخن با تمیز

عاجز

سیّد محمد نام ہے۔ دکن کے رہنے والے تھے۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور عالمگیر کی فتوحات کا زمانہ انھوں نے دیکھا ہے۔ ان کی تصنیفات سے ایک چھوٹی سی مثنوی دکن میں نہایت مقبول اور قصہ ملکہ مصر کے نام سے مشہور ہے اس میں مصر کے بادشاہ فیروزشاہ کی ملکہ کا فسانہ اور اس کے ایک سو سوال مذکور ہیں۔ عاجز نے اسے ۱۱۔ صفر ۱۱۰۰ھ کو تمام کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

مرتب ہویا یاں سوں قصہ تمام — لکھوں اب یو کس وقت پایا نظام
تھی تاریخ ایگیارہ ماہ صفر — سو پنجشنبہ کا روز تھا نامور
سو ہجرت نبی سوں برس یک ہزار — بھی یکسو، سو مسلے بولیا یادگار

ابتدا اس کی ان ابیات سے ہوئی ہے۔

کہوں میں ثنا صفت حق کا اوّل — بنایا ہے یو سب جگت بے بدل
رکھیا جن معلق پہ ہفت آسماں — چلاتا ہے یونت زمیں ہور زماں
دباتا ہے او دیس سب نور سوں — کریں دین جو روشن چندر سور سوں

ڈی تاسی جلد اوّل صفحہ ۱۶۸ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۷۳۔

قصہ ملکہ مصر ۱۳۰۷ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے۔ ڈی تاسی نے لال گوہر کو عاجز دکنی کی تصنیفات میں شامل کیا ہے لیکن شفیق کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارف الدین عاجز کی

تصنیف ہے جو اورنگ آباد کے رہنے والے اور سنہ ۱۱۷۶ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

ضعیفی

ان کا نام شیخ داؤد ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ مسائل فقہ میں اُنھوں نے ایک کتاب ہدایت ہندی کے نام سے لکھی ہے جو سنہ ۱۱۰۰ھ میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں چوبیس باب ہیں جن میں طہارت نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل اور دیگر احکام ضروری کو بیان کیا ہے۔

مصنف نے دیباچہ میں اپنے نام اور تخلص کو اس طرح بیان کیا ہے۔

لقب اس ہوا شیخ داؤد ناؤں ضعیفی سو اس کے تخلص کا ٹھاؤں

کتاب کا نام اور تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

جو تاریخ ہجرت ہزار یکسو پچ ہدایت ہندی ہوا یو تو سچ

سنہ ۱۱۶۵ھ میں شاہ محمد قادری قاضی رام گیر نے خزانہ عبادت کے نام سے فقہ احناف کے احکام و مسائل میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں جگہ جگہ ہدایت ہندی کے حوالے درج ہیں۔

یہ مثنوی سنہ ۱۲۸۷ھ میں مدراس میں چھپ گئی ہے۔

ذوقی

ان کا نام شاہ حسین اور لقب بحر العرفان ہے اورنگ زیب کے معاصر ہیں سنہ ۱۱۰۹ھ میں انھوں نے حسن و دل کو منظوم کیا۔ اور وصال العاشقین

اس کا نام رکھا ہے۔ اس کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اِس سے پہلے بھی نظم میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ مثلاً معراج نامہ، وفات نامہ، منصور کا قصہ وغیرہ۔

اُردو جلد پنجم ص ۴۹۹

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحرالدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے قصبۂ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے۔ ان کا وطن تھا۔ سنہ ۱۰۹۵ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ ان کا معتقد ہوگیا تھا۔ اس کے دربار میں سال دو سال مقیم رہے اور جب بیجاپور کی سلطنت سنہ ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہوگئی تو وہاں سے حیدر آباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات غزلیات، رباعیات اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپ نے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تھے۔ بیجاپور سے حیدر آباد آتے ہوئے راستے میں رہزنوں نے آپ کا مال واسباب لوٹ لیا۔ اس میں یہ ذخیرہ بھی تلف ہوگیا۔ قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفان کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور اُن کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور ست چندے صحبت باتفاق شدہ بود بیش دے یک دو سال اقامتے میداشتم۔ مثنویات وغزلیات ورباعیات وقصائد وغیرہ در معارف

بزبان دکھنی و فارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمہ اسبابہائے بیش قیمت راکہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذر دادہ۔ بحیدرآباد روانہ کردم در راہ قطاع الطریق آن اسبابہارا تلف نمودند و ہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد"۔

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام من لگن ہے۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اس کی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں اس کی تاریخ کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تھی یہی کتک برس تھے ‏ ‏ ‏ ‏ بارا اُپر ایک سو سہس ہزار تھے

بعض مُریدوں کی فرمائش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفاں رکھا یہ کتاب ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور غیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید شاہ اسمٰعیل بن سید شاہ احمد قادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اس کے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت من لگن سے ماخوذ ہیں'

' من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ مدراس سنہ ۱۲۷۸ھ و سنہ ۱۳۰۷ھ بنگلور سنہ ۱۳۱۰ھ و سنہ ۱۳۲۵ھ

عشرتی

ان کا نام سید محمد اور والد کا نام سید یوسف حسینی ہے۔ حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ اور ۱۱۱۱ھ میں ملک محمد جائسی کی پدماوت کو فارسی میں ملخص کیا ہے اور "گلے ختمی" سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔

بہار افروز دل شد چوں کلامش　　گلے ختمی ست تاریخ تمامش

دکنی زبان میں بھی انھوں نے دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں دیپک پتنگ، اور چت لگن پہلی کتاب ۱۱۱۴ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اور ہماری نظر سے گذری ہے۔ اس کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

الٰہی تو سرجیا زمین ہور زماں　　دیایا سورج جوت تو آسماں
فلک کوں سنکایا توں گردش کا چال　　سیہ تس میں لایا چندر کا ہلال
رین کھن مندوا سنوارے تمام　　انکھوران کے جھونکے ستارے تمام

عشرتی کے پوتے سید علی نے ۱۱۶۹ھ میں گلشن احسان کے نام سے حاتم طائی کا فسانہ منظوم کیا ہے اس کے دیباچہ میں اپنے دادا کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں۔

کرو ان نام سید محمد کا یاد　　سیادت کے گھر کا ہے ذات العماد
تصانیف نظم و نثر فارسی　　بہت اُس سوں ہے عقل کی آرسی
ہے دکنی میں دیپک پتنگ چت لگن　　دو قصے کہیں ہیں وہ عالی سخن

تخلص ہے مشہور اُسے عشرتی   معارک سخن کا تھا خود نصرتی

مجرمی

یہ بھی عہد اورنگ زیب کے شاعر ہیں۔ بیجاپور کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۱۱۲ھ میں حسن و دل کو منظوم کیا اور گلشن و دل اس کا نام رکھا ہے۔ خاتمہ میں تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

یو بارہویں صدی میں یو قصہ تمام   جو چودا برس میں ہوئے تھے تمام

مثنوی کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

جتا حمد ہے سو خدا کو پچ ہے   ثنا ہور صفت بھی اسی کو پچ ہے

جو درگاہ اس کی اہے بے نیاز   اپس سوں اپئیں ہے وہ بے نیاز

اُردو، جلد پنجم، ص ۵۰۲

ہُنر

سیّد احمد نام ہے۔ سیّد محمد عشرتی کے فرزند تھے۔ اُنھوں نے دو مثنویاں لکھی ہیں۔ نیہ درپن اور اوتار درپن۔ نیہ درپن ہم نے دیکھی ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۱۳۳ھ میں تمام ہوئی ہے، اس میں راجہ راج کنور اور رانی کملتا دیوی کا فسانہ مذکور ہے۔ ہنر نے اسے ابن نشاطی کی پھولبن کے جواب میں لکھا ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں کہتا ہے۔

بنایا پھولبن ابن نشاطی،   متھی باس اسکی سب کے تیں خوش آتی

جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن   ہے سچ وہ عشق کے انکھیاں کا انجن

اسے اس سے اگر ناپائے بہتر　　برابر تو یقیں جانے نہ کمتر

خاتمہ میں تاریخ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ستیا مج نیہ درپن نے یو چپل کا　　اگیارہ سو پوچھے چالیس پہ چار

نیہ درپن کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی، یا الٰہی، یا الٰہی　　تجھے سا جے جگت کی بادشاہی
تکبّر ہور منم ہے تج سزاوار　　کہ نیں کوئی دوسرا تج سار کرتار

ولیؔ دکھنی

سیّد محمد فیاض ان کا نام ہے۔ ملّا محمد باقر آگاہ نے مراۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلور اُن کا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا۔ ولیؔ عرصہ تک اُس کی رفاقت میں رہے۔ پھر وہاں سے نکل کر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انھوں نے ولیؔ کی قدر دانی کی اور ملازمت دے کر سدھوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

حراست خاں امیر ایک نامور تھا　　سکونت گاہ اُسکوں سات گڑھ تھا
اتھا او اہل دردو نیک اعمال　　رفاقت میں اتھا میں اسکے خوشحال
قضارا واں سوں قسمت سوں برخاست　　سو آیا ایں طرف کڑپہ کے دھر خواست
نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک　　اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک

سوا دیجے شجا پروانہ لکھ کر   بسلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ   کیا او صاحب شیریں زمانہ
(شجاع ۱۲)
سو حسب الحکم میں سدہوٹ کو آیا   رنگارنگ ان تماشے میں نے پایا

ولی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصۂ رتن و پدم۔ اس کو ولی نے سدہوٹ میں لکھا ہے۔ اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اس کے چارسو صفحے تھے اور جس میں کم و بیش چار ہزار ابیات ہیں اس کی ابتدا حسبِ ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار   نرنکار و آکار دآچھی آتار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنّف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ ان کے دو مختلف مقام ہیں۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس   نہ کر اُس آس سوں ہرگز تو نیراس

ولی ہے یو سبب خالی بہانا   اُسی کا کام ہے دینا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا۔ اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال   اگیارہ سو پو تھا انیسواں سال

ڈاکٹر ایتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اُس کے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اوّل۔ ذکر وفات جناب رسالت مآب صلعم۔

مجلس دوم۔ ذکر وفات سیدہ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام،
مجلس سوم۔ ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ،
مجلس چہارم۔ ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام
مجلس پنجم۔ ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام
مجلس ششم۔ ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلم رضؓ
مجلس ہفتم۔ روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سوئے دشت کربلا۔
مجلس ہشتم۔ ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام
مجلس نہم۔ ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
مجلس دہم۔ بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

ان کے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جس کے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کرکے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

یا الٰہی توں بحق مصطفےٰ ہور مرتضیٰ ‎ ‎ فاطمہ خاتون جنّت ہور شاہ کربلا
عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری سدا ‎ ‎ یا صاحب عرش بریں منجھ حال پر احسان کرو

یا الٰہی زہد و تقویٰ نین ہوا منجھ ہات سوں ‎ ‎ کچھ عبادت ہور ریاضت میں ہوا منجھ ذات سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اس بات سوں ‎ ‎ یا غفور المجرمیں منجھ حال پر احسان کرو

یا الٰہی از طفیل انبیاء ہور اولیاء ‎ ‎ غوث ہور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا

آبرو رکھ دو جہاں میں ہے ولی کی التجا ‏ ‏ ‏ ہے او بندہ کمترین منجہ حال پر احسان کرو

اسپرنگر صـ ۶۴۱ ۔ ایتھے نمبر ۱۶۲ ۔ دیباچہ ریاض الجناں صـ ۳
روضۃ الشہدا بمبئی میں سنہ ۱۲۹۱ھ و سنہ ۱۲۹۶ھ میں چھپ گئی ہے۔

وجدی

صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دھارور میں کیج نامی ایک قصبہ آباد ہے وجدی اسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام ہدایت اللہ خاں ہے۔ وطن میں طبابت کیا کرتے تھے۔ مشرب صوفیانہ تھا۔ دکنی زبان میں اُن کی تصنیفات سے تین مثنویاں موجود ہیں۔

(۱) مخزن عشق۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے وجدی نے اسے شاہ صادق اورنگ آبادی کی فرمائش سے سنہ ۱۱۴۵ھ میں تصنیف کیا ہے۔ اصل اس کی فارسی ہے۔ اور دیباچہ میں تاریخ اختتام کو اس طرح بیان کیا ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہوں میں ‏ ‏ ‏ تاریخ جسکے ختم کا آیا ہے "باغ جان فزا"

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے چنانچہ اس کو خاتمہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی ‏ ‏ ‏ اہل معنی کو مثال آرسی
خوشتریں تصنیف شیخ نامدار ‏ ‏ ‏ پیشوائے عارفانِ روزگار
شیخ صاحب دل فرید نامور ‏ ‏ ‏ خاص جن کا ہے لقب عطار کر
تھا دلے جوں فارسی میں یوں کلام ‏ ‏ ‏ کم سمجھ سکتے تھے اسکو خاص عام

گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس — کان مجھے اسکے سمجھنے کا قیاس
لیکن اسکے دیکھ کر دلچسپ بول — یک بیک یوں دل منے آیا کلول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف — اس کتاب خاص کا نظم شریف
تصد کر دکنی زبان میں لیکے آؤں — تا رہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پروفیسر ڈی تاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۱۲۴ھ میں اختتام کو پہونچی ہے بیلیوتھیک ڈر معارگن لیانڈش گیزیل شافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس سے سنہ ۱۱۱۵ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جس قدر قلمی نسخے دیکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب — تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب
۱۱۴۶ھ

(۳) مثنوی تحفۂ عاشقاں۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے۔

قضا را دسیا مجکوں یک بار کا — گل و ہرمز اُس شیخ عطار کا
ہوا شوق پیدا منجھے بعد ازاں — کہ دکنی زباں سوں کروں ترجماں

یہ مثنوی سنہ ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اس کی تاریخ اس طرح مذکور ہے۔

دے اسکی تاریخ مجکوں کو عیاں — پچھانو اسے تحفۂ عاشقاں

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہو زباں پاک سوں — ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ڈی تاسی جلد دوم ص۲۲۵ فہرست کتب خانہ جرمن اورینٹیل سوسائٹی جلد سوم ص۶۷ لسان العصر جلد اوّل نمبر ۵ ص۴ پنچھی باچھا بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۸۰ھ ۱۳۱۹ھ مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسی قدر آخر میں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے۔

آزاد

فقیر اللہ نام ہے۔ حیدر آباد کے باشندے تھے فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے۔ ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے۔ چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سنیا ہوں یہ مصرعہ مناسب ۔۔۔ جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں ۔۔۔ پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر ص۱۰ میر حسن ص۴ گل رعنا ص۸۸

ولی بیجاپوری

بیجاپور ان کا وطن ہے محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۲ھ۔ ۱۱۶۱ھ) کے معاصر تھے۔ انھوں نے پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاری کے اقوال کو دکنی میں نظم کیا اور

تنبیہ نامہ اس کا نام رکھا ہے۔ اس میں گیارہ سو بیس ابیات ہیں اور سنہ ۱۱۵۰ھ میں تمام ہوا ہے۔ کتاب کا نام۔ تاریخ تصنیف اور مصنّف کا تخلص ابیات ذیل میں مذکور ہے۔

کیا بعد ازاں سُن کے تیں جب قیاس   ہوئے سن گیارہ سو اوپر پچاس
یہ تنبیہ نامہ کیا جب تمام   نبی کے اسم سے کیا اختتام
الٰہی ولی کے تئیں بخش اب   کر اُس کے گناہوں کو ناچیز سب

ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے۔

خداوند شاہنشہ برقرار   وہ سبحان سب کا ہے پروردگار

صنعتی

دکنی شاعر اور محمد شاہ بادشاہ کے معاصر ہیں۔ ساگر اُن کا وطن ہے۔ شاہزادۂ مصر اور دخترِ فغفور کے عشق و محبت کی داستان دکنی میں نظم کی ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ ۱۷ ذی القعدہ سنہ ۱۱۵۹ھ کو تمام ہوئی ہے اور گلدستۂ عشق اس کا نام ہے۔ تاریخ تصنیف اور مصنّف کا تخلص ابیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

کہوں اس کی تاریخ میں اب بیاں   رہو شاد سُن کر یہیں عاقلاں
سُنو کان دھر سن اول ہجرتی   "یو ہدیہ دیا دل لگت صنعتی"
اتھا شہر ذوالقعدستر اتمام   ستیا مشتری خوش تھا مسند پو کام
محباں کے حق میں دعا منگ کتاب   ارے صنعتی کر ختم توں کتاب

ابتدا اس کی اس بیت سے ہوئی ہے۔

ہوں اوّل صفت کہتا سبحان کا   رنچا کن سے جن کل ہے منڈان کا

یہ مثنوی قصہ نغفور چین کے نام سے سنہ ۱۳۲۶ھ میں بمبئی میں چھپی ہے۔

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے اس کی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی۔ اور کھرکی اس کا نام تھا شاہجہاں بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۹ھ) کے ساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس زمانہ سے اس کی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہو گئی۔ نظام شاہیوں کی تباہیوں کے بعد جب بالاگھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ مقام بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اُس نے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا۔ اور اس کا نام اورنگ آباد رکھا۔[۱] اس کے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے اُمرا اور علماء و مشائخین جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا۔ اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈے کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور

۱؎ ہسٹاریکل ڈسکرپٹو جلد دوم ص ۲۰۱

یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہو کر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اُردو شاعری کا مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اُردو گو شعرا پیدا ہوئے جن کے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا میر بہاءالدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور اُن سے اخذ کر کے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف اُن شعرا کا حال درج کیا ہے جنھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولیؔ اورنگ آبادی

ولیؔ کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے۔ مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نسّاخ نے اُن کا نام ولی اللہ لکھا ہے نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ فتح علی گردیزی اور قیام الدین قیامؔ نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے۔ میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو اُن کا وطن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں ابراہیم سایانی نے ولی کا ایک شعر پیش کیا ہے۔

ولی ایران و توران میں ہے مشہور وطن گو اس کا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اس طرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توران میں ہے مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آبادان کا وطن ہے۔ اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ اُن کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نسآخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اس کی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے۔ برخلاف اس کے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدّین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی۔ وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے۔ لوگوں نے نیلی گنبد میں دریا خاں کی گنبد کے قریب مدفون کیا۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر کیا تھا۔ لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا۔ اس میں اختلاف ہے مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے یہاں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے۔ اور میر حسن دہلوی۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی مرشد آبادی۔ مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نسآخ نے اس کو

نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے۔

قائم اپنے تذکرے میں بیان کرتے ہیں۔ عالمگیر کے چوالیسویں سال جلوس میں جو ۱۱۱۲ھ کے مساوی ہے ولی اپنے دوست سید ابوالمعالی کے ساتھ دِلّی میں آئے۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔

"در سن چہل و چار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ سید ابوالمعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ او بود بشاہ جہاں آباد آمد"۔

وؔلی کا سنہ وفات فرہنگ آصفیہ میں ۱۱۰۱ھ اور تذکرۂ شعرائے دکن میں ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیوں کہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ جو ۵۔ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر تحریر ہے۔ "تمام شد دیوان ولی رحمۃ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولؔی نے ۱۱۴۳ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنّف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولؔی نے دیوان کے علاوہ تصوّف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے۔ لیکن وہ ناپید ہو گیا ہے۔ اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جس میں زیادہ تر حصّہ غزلیات کا ہے آخر میں پند مستزاد مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ پروفیسر ڈی تاسی نے دیوان کو ۱۸۴۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۷۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع منشی نولکشور میں چھپا۔ قریب قریب اِسی زمانہ میں اس کا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شائع ہُوا۔ لیکن یہ سب ایڈیشن اس

وقت کمیاب ہیں۔ حال میں ابراہیم سایانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شایع کیا ہے اور اس کی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے۔ جس میں ولیؔ کے حالات اور اس کی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا کو ولیؔ اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ولیؔ دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے بیشتر تحریر کر دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم ص۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی اسپرنگر ص۲۸۷ میر تقی میر ص۹۴ میر حسن ص۲۰۴ سخن شعرا ص۵۵۶ گلشن ہند ص۱۷۵ گلشن بیخار ص۲۳۷ گلستان بنجیراں ص۲۸۱ تذکرۂ شعرائے دکن ص۱۱۲۷ گل رعنا ص۸۲ آب حیات ص۸۰ چمنستان شعرا نسخۂ قلمی، موجودہ کتب خانہ آصفیہ!

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولیؔ کے معاصر ہیں ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ لچھمی نارائن شفیق نے اُن کے حالات اپنے تذکرہ میں ان کے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

ان کا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جس میں کم وبیش پانچسو اشعار ہیں. جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں.

اس صنم کے خیال ابرو نے — ناتواں مجکو جوں ہلال کیا
مرا احوال چشم یار سے پوچھ — حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ
چاندنی کی سیر کو کس طرح نکلے وہ صنم — دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی میر ص ۱۱۱ سخن شعرا ص ۱۵۷ گل رعنا ص ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن ص ۴۲۶ .

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے سنہ ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میر تقی میر اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اورنگ آباد نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے،

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جس میں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، مخمس، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوستان خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو سنہ ۱۱۷۳ھ میں تمام ہوئی ہے اس کے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب سنہ ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو اُن کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے سنہ ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ وترتیب اور عمر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ بند | تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک | واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے | خامۂ مژگان خوباں میں ہیں قابل صاد کے

میر حسن صـ۸۰ میر تقی میر صـ۱۰۱ گل رعنا صـ۸۹ سخن شعرا صـ۲۱۳ تذکرۂ شعرائے دکن صـ۴۸۲ لسان العصر جلد اول نمبر صـ۳۳

دہلی میں زبان اُردو

اُردو زبان نے دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کرلی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوگیا تھا۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں بارھویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جمالیؔ[1]۔ مُلا نوریؔ[2] اور شیخ سعدیؔ[3] وغیرہ نے

---

[1] مولانا جمالی شہنشاہ بابر کے معاصر تھے سنہ ۹۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں ان کا مزار ہے۔

[2] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے، میر حسن نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو آدھا اُردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد | بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

[3] شیخ سعدی۔ ان کے لئے ضمیمہ اول ملاحظہ کیجئے۔

اگرچہ کہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اُردو میں ہیں۔ لیکن یہ باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی اس لئے اسے ہم اُردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہاں بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۹ھ) کا عہد اُردو کے لئے مبارک عہد تھا۔ اس عہد میں اُردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسر پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگ زیب کو مل گیا۔ اور اس کی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں لکھتا ہے۔

آں فرمان عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقمی فرمودہ
شاہد ایں معانی است[1]

عالمگیر اورنگ زیب (سنہ ۱۰۶۹ھ سنہ ۱۱۱۷ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن ان میں کثرت سے اُردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

"در ارسال ڈالی انبہ بہ تلافی مافات کوشند"

"دریں ضمن کرسی کچکڑہ نیز بہ نظر گذشت"

"مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستاں یاد می آید"

۱؎ عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے۔ ۱۲

"وچار گھڑی روز مانده یا ز دیوان عام می فرمودند
"شادیانۂ فتح بنوازند وحرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی
دھوں دھوں"

اس زمانہ میں دربار و اہلِ دربار کی زبان فارسی تھی۔ سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا۔ تصنیف و تالیف خط وکتابت فارسی میں ہو اکرتی تھی۔ باوجود اس کے شاہ جہاں کا اُردو میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اُردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اُردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہوگئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص وعام اس کو بولتے اور سمجھتے تھے۔

عالمگیر کے عہد میں لغات اُردو کی تدوین۔ قریب قریب اِسی زمانے میں اہل ہندوستان کو اُردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا مُلّا عبدالواسع ہانسوی نے (جن کی قواعد فارسی اور گلستان بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور رہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اُردو ہندی الفاظ کا ایک لغت مدوّن کیا اور اُس کا نام غرائبُ اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے۔ ایک عرصہ کے بعد سراج الدّین علی خاں آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظرثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی اضافہ کئے۔ غلطیاں درست کیں اور اُسے نوادرالالفاظ کے نام سے موسوم کیا[۱]

---

[۱] ریو جلد دوم ص۵۱۰ جلد سوم ص۹۹۷ و ص۱۰۳۰ و ص۱۰۷۰

فارسی شعرا اور اُردو زبان۔ عالمگیر کے زمانہ سے دلّی میں اُردو شعر گوئی نے رواج پایا اور اس جانب سب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی۔ موسوی خاں فطرت[1]۔ مرزا عبدالقادر بیدل[2]۔ مرزا عبدالغنی قبول[3]۔ وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریحِ خاطر اور تفنن طبع کے لئے اُردو میں

---

[1] مرزا معزالدین محمد موسوی خاں فطرت۔ مشہد مقدس ان کا وطن ہے سنہ ۱۰۸۲ھ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے۔ عالمگیر کے اُمرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں سنہ ۱۱۰۱ھ میں اُن کا انتقال ہُوا ہے۔ مآثر الامرا جلد سوم ص ۶۳۳ خزانہ عامرہ۔ ص ۴۲۹ سرو آزاد ص ۱۲۶ نتائج الافکار ص ۳۹۵

[2] میرزا عبدالقادر بیدل۔ عظیم آباد۔ پٹنہ ان کا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے سنہ ۱۱۳۳ھ میں اُن کا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص ۱۴۸ نتائج الافکار ص ۷۵

میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں اُن کے دو شعر نقل کیے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں ۔۔۔ اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا ۔۔۔ پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[3] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے۔ مرزا جویا کے شاگرد ہیں سنہ ۱۱۳۹ھ میں اُن کا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص ۱۹۷) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیالِ زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن
تاریک شب میں جیسے کوئی پاسبان پھرے

بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہی کیفیت رہی۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اس کی خوب قدر کی۔ اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہوگئے۔[1] اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایۂ تخت میں شعرائے اُردو کا گروہ کثیر پیدا ہوگیا۔ منجملہ ان کے جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

دورِ اوّل کے شعراء

شاہ مبارک آبروؔ۔ ان کا نام نجم الدّین ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہاں آباد اُن کا انتقال ہوا ہے۔[2]

شیخ شرف الدّین مضمونؔ۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج مؤا کی ولادت ہوئی ہے۔ زمانہ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے۔ شیخ فرید الدّین گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔[3]

محمد شاکر ناجیؔ۔ شاہ جہاں آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر

---

[1] رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص ۶

[2] میر تقی میر ص ۹ میر حسن ص ۴۳ گلشن ہند ص ۲۵ گلشن بیخار ص ۶ سخن شعرا ص ۵

[3] میر تقی میر ص ۱۵ میر حسن ص ۱۶۹ گلشن ہند ص ۱۶۰ گلشن بیخار ص ۱۸۱ سخن شعرا ص ۴۴۷

خاں کے متوسل تھے۔ شاہ مبارک آبروؔ کے معاصر ہیں ۱۱۶۸ھ میں اُنکا انتقال ہُوا ہے[۱]

مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا۔ خاں جہاں خاں لودھی کے بنیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصب دار تھے۔ دہلی میں اُن کا انتقال ہُوا ہے۔[۲]

شیخ ظہور الدّین حاتم۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا۔ عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سوداؔ کے اُستاد تھے۔ ان کے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی ان کا انتقال ہوا ہے[۳]

اشرف علیخاں فغاںؔ۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیمؔ کے شاگرد تھے۔ احمد شاہ دُرّانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کر لی ۱۱۸۶ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا۔[۴]

یہ شعرا دورِ اوّل کے تھے اس کے بعد دورِ ثانی شروع ہوتا ہے۔ اس

---

[۱] میر تقی میر ص۲۳ میر حسن ص۱۵۹ گلشن ہند ص۱۰۲ گلشن بیخار ص۲۲۰ سخن شعرا ص۵۸

[۲] میر تقی میر ص۳ میر حسن ص۲۱۷ گلشن ہند ص۱۹۵ گلشن بیخار ص۲۲۴ سخن شعرا ص۵۰

[۳] میر تقی میر ص۶۹ میر حسن ص۳۰ گلشن ہند ص۸۱ سخن شعرا ص۱۳۰

[۴] میر تقی میر ص۷ میر حسن ص۱۴۲ گلشن ہند ص۱۳ سخن شعرا ص۳۶۹۔

دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹۹ھ) میر سوز (۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم (۱۲۲۰ھ) انعام اللہ خاں یقین۔ احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے۔

نثرِ اُردو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً بتیس سال پہلے دکن میں نثر اُردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے خواجہ بندہ نواز حضرت سیّد محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین۔ نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے اور اُن سے نثر اُردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ عین الدین کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور اُن کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے معراج العاشقین کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب ادبی نہیں ہے بلکہ تصوّف کی ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے۔

حضرت میراں جی شمس العشاق نے بھی نثر اُردو میں کئی رسالے لکھے ہیں

منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں۔ ایک کا نام "جل ترنگ" اور دوسرے کا "گل باس" ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں۔ اور شاہ صاحب نے ان میں تصوّف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ - ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں مُلّا وجہی ایک دکنی شاعر گزرے ہیں۔ دربار گولکنڈہ کے متوسل اور مُلّا غواصی کے معاصر تھے۔ ۱۱، ذی القعدہ ۱۰۴۱ھ کو سلطان عبداللہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو اُنھوں نے مصرعہ ذیل سے اس کی تاریخ نکالی اور اُسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

" آفتاب از آفتاب آمد پدید

مُلّا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں اس واقعہ کو بدیں الفاظ بیان کیا ہے۔

"بہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلماء و فضلاء و صلحا اکرام و احسان فرمودند و بفقرا و مساکین نقود و اجناس بسیار تصدق نمودند۔ و جمعی از شعراء تاریخ ہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند۔ ازاں جملہ سہ تاریخ مرقوم گردید۔ اوّل تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است۔" آفتاب از آفتاب آمد پدید۔"

مُلّا وجہی نے ۱۰۴۴ھ میں ایک کتاب "سب رس" کے نام سے نثر اُردو میں لکھی ہے، اس کی عبارت اوّل سے آخر تک مسجع و مقفیٰ ہے اور ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ مُلّا وجہی نے اس کے لکھنے میں ملا نور الدین ظہوری کی سہ نثر کی تتبع کی ہے جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھی گئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے "سب رس" کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اس میں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے۔ یہ مضمون رسالہ اُردو کی جلد چہارم میں شائع ہُوا ہے۔

شرح تمہیدات عین القضاۃ - عین القضاۃ ہمدانی قرن ششم کے اولیائے کبار سے ہیں آپ کا نام ابوالفضائل عبداللہ بن محمد ہے۔ ہمدان میں پیدا ہوئے، شیخ محمد بن حمویہ کے شاگرد اور شیخ احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ اور اُن میں تصوّف کے اسرار و حقائق کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایسا کسی دوسرے مصنف نے کم بیان کیا ہوگا۔ سنہ ۵۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ اور قزوین میں مدفون ہوئے۔[1]

تمہیدات کے نام سے آپ نے ایک کتاب لکھی ہے اور اُس میں تصوّف کے رُموز شرع و عقائد کے مسائل، بعض آیات قرآنی کے حقائق و دقائق

[1] نفحات الانس ص ۴۱۴ سفینۃ الاولیا ص ۱۶۸ مجمع الفصحا جلد اول ص ۳۴۰ نتائج الافکار ص ۲۷۹ محبوب الاولیا ص ۱۰۴۔

بیان کئے ہیں۔ قرن یازدہم کے نصف آخر میں سید میران جی حسینی نے دکنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ بزرگ حیدر آباد کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ ابتدا شاہی ملازمین میں شامل تھے۔ سلطان علی عادل شاہ ۱۰۶۷ھ میں برسرِ حکومت ہوا تو سلطان عبداللہ نے انھیں سرکاری ضرورت پر بیجاپور بھیجا۔ وہاں شیخ امین الدین اعلیٰ سے ملاقات ہوگئی اور اُن کی توجہ سے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد حیدرآباد واپس آئے اور مسندِ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۸ ر جمادی الاول ۱۰۸۰ھ کو انتقال کیا۔ حیدر آباد اور گولکنڈہ کے مابین موضع عبداللہ پور میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند شاہ امین الدین ثانی نے مزار پر گنبد بنوایا جو اس وقت موجود ہے۔ اور مکرکی گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے ترجمہ تمہیدات کے علاوہ دکنی زبان میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ مثلاً رسالہ وجودیہ، رسالہ قربیہ وغیرہ۔

تمہیدات کا ترجمہ کس عہد میں تمام ہوا ہے اس کا تذکرہ دیباچہ میں نہیں ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شیخ امین الدین کی بیعت اور بیجاپور کی واپسی کے بعد شاہ صاحب نے اسے تصنیف کیا ہے۔ اس بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ ۱۰۶۹ھ کے حدود میں وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ ترجمہ تمام ہوا ہے۔

شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء۔ شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء عظام سے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہونچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ

۱۲ صفر ۷۳۲ھ کو انتقال فرمایا۔[1]

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گزرے ہیں انھوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اس کا نام نفاس الانفاس رکھا ہے اس کے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے۔[2] اس کے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انھیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے۔

۱۰۸۰ھ کے بعد یعنی قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اس کا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے۔[3] یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے۔ مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال، ہور سارکان کے مقامات
ہور مریدان ہور طالباں کے طلباں، ہور اس کے عجائبات،
ہور باریکیاں کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] مراۃ الاسرار ۱۲ [2] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھئے ایتھے نمبر (۱۸۳۶)

[3] یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تصوف کے نمبر (۶۲۳) پر موجود ہے ۱۲

دوسرا قسم۔ حقیقت کے لوگاں یعنی پیغمبراں، ہور خاص الخاص ولیاں کے بیان ہیں،

تیسرا قسم۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی چگونگی کا، ہور ازل، ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمد کے جنس جنس کے لوازماں کا بیان،

چوتھا قسم۔ مہتر آدم کی پیدائش کا، ہور صفتاں کا، ہور دُنیا کے بیڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواران ہور نیو کے میں خدا کے عنایات کا بیان۔

نورُ دریا قادری کے رسالے۔ رائچور میں جس کا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[1] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ سید شاہ محمد قادری[2] بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰ[3] المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے۔ عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوّف کے مسائل بیان کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں۔ جن

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۳۳۲

[2] روضۃ الاولیا بیجاپور ص ۴۷

[3] روضۃ الاولیا ص ۱۲۴

میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

معرفۃ السلوک۔ شیخ محمود خوش دہاں۔ بیجاپور کے مشہور بزرگ ہیں۔ شاہ برہان الدین جانم کے مرید اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے پیر تربیت تھے ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور روضہ امین الدین اعلیٰ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معرفت السلوک[1] ہے۔ شاہ ولی اللہ قادری نے اپنے مرشد شاہ حبیب اللہ قادری کے ایماء سے ۱۱۰۹ھ میں بزبان دکنی اس کا ترجمہ کیا۔ یہ بزرگ حیدر آباد میں رہا کرتے تھے۔ نواب انوار الدین شہامت جنگ کو ان سے خاص ارادت تھی۔ ۲۹ محرم ۱۱۴۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ حیدر آباد میں شہر سے باہر باغ گوڑ دہن کے قریب مدفون ہوئے۔ مزار اور چبوترہ سراج الدولہ نواب محمد علی خاں والاجاہ حاکم ارکاٹ نے بنوایا ہے۔

اسرار التوحید۔ قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام قصبۂ راچوتی میں گزرے ہیں۔ آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اس کا نام اسرار التوحید رکھا ہے۔[2]

یہ مختصر سرگذشت ہے اُن تصنیفات کی جو نثر اُردو میں گیارہویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع

---

[1] یہ کتاب ۱۸۸۲ء میں نولکشور پریس میں چھپی ہے۔

[2] یہ رسالہ ۱۳۱۳ھ میں حیدر آباد میں چھپ گیا ہے۔

سے خارج ہے۔ اس لئے اُن تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارہویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں بلکہ جس قدر ہیں وہ سب تصوّف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر اُردو کی ابتدا۔ شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارہویں صدی سے شروع ہوئی ہے۔ اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اُردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی وہ مجلس ہے۔

یہ کتاب ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے۔[۱] اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا۔[۲] قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین خاں تحسین نے نوطرز مرصع لکھی۔[۳] یہ سب نثر اُردو کی ابتدائی کتابیں تھیں۔

ان ہی ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا اور انگریزوں کو اُردو سکھانے کے لئے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں۔[۴] اس کے بعد نثر نویسی کو رواج عام ہوگیا۔

۱؎ آب حیات ص۲۱ ۲؎ گلشن ہند ص۱۴۵ ۳؎ تذکرہ خوشنویساں ص۱۳۸۔ نوطرز مرصع نواب شجاع الدولہ ۱۱۶۲ھ تا ۱۱۸۸ھ کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے۔ اسمیں چہار درویش کا فسانہ مذکور ہے۔ ۴؎ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش سے نثر اُردو میں جس قدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انکی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھئے۔ دیباچہ گلشن ہند از مولوی عبدالحق صاحب ص۲ تا ص۷ گل رعنا ص۱۲۶ تا ص۲۸ اُردو زبان اور اہل یورپ از مولوی عبدالحق صاحب مندرجہ رسالہ اُردو جلد سوم ص۲۹۲ تا ص۳۰۵۔

ضمیمۂ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۱۱)

اُردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے اُن کے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں۔[1]

فتنہ چو دیدم برخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے ——— گفتا ورائے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے

اے مردماں شہر شما کتنی بُری یہ ریت ہے ——— ہے ہے نمی پرسد کسے پردیسیا حا ریت ہے

ہمنا تمن کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دُکھ دیا ——— ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

دو نین کی کھیہ کہوں۔ رو ردبجون دل کروں ——— بیش سگ کو بیت دھروں پیا سانہ جائے میت ہے

سعدی کا طرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ ——— در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے۔ چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق بعضے از مورخین بران ست کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ روحہ درہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستان خویش ایمائے بر آں فرمودہ اند کردند

---

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں ۱۲

لغتے بزبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بہ سبیل تفنن بقید نظم درآوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو ورہماں بناء طرح نغز ہائے بسیار بکار بردند۔ ہرچند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویاں حال است و از عبارات غیر مانوس مالامال۔ لیکن بپاس طبیعت مشتاقاں ہرجنس سخن دو سہ چہار بیت ازاں ابیات تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی میگردد و از احوال ایں ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ متداولہ ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است"

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو۔ سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور وہ انھیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی میر کا بیان ہے۔

"سعدی دکھنی آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرار دادہ دکن است و آنکہ بعضے اعزہ را بہ سبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرقوم

ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است":

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انھیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ و ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے۔ ۱۰۰۲ھ میں اُن کا انتقال ہوا ہے ملّا نظام الدّین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے۔[1]

بختاور خاں نے لکھا ہے کہ:۔

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعرے نیکو گفتے"

ص ۲۸۶ ملّا عبدالقادر بدایونی نے بھی اُن کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو۔ و خلف صدق شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و متشرع بودے و خوش وقت و آزاد زیستے یکے از احباب در رقعہ ہنگام وداع نوشتہ بود

دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

وفاتش در ۱۰۰۲ھ اثنی والف بود"

---

[1] طبقات اکبری ص ۳۹۵

ضمیمۂ دُوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ٦٥

شکاسب تتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے۔ جس کے معنے ہیں، "طوطے کی کہی ہوئی ستّر کہانیاں۔ مولانا ضیاء الدّین[2] نخشبی نے ان کہانیوں سے باون کہانیاں انتخاب کر کے فارسی میں ان کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ سنہ ٧٣٠ھ میں تمام ہوا۔

اس کی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اس لئے فارسی میں

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالۂ مخزن بابتہ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء میں طوطا کہانی کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور اس میں ہم نے طوطی نامہ کی اصلیت اور اس کے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔

[2] مولانا ضیاالدین نخشبی بہت بڑے عالم اور فارسی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایوں کے رہنے والے تھے سنہ ٧٥١ھ میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرہ مبشرہ کلیات و جزئیات ان کی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

اس کے متعدد خلاصے لکھے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں اُن کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا بخشی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اس کا خلاصہ کیا۔

(۲) مُلّا سیّد محمد قادری نے مولانا بخشی کی باون حکایات سے پینتیس ۳۵ حکایات انتخاب کر کے انھیں گیارہویں صدی میں شرفائی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا نایاب ہے دُوسرا ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اس کے بعد بمبئی سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے۔

مولانا بخشی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بہ عہد سلطان سلیمان اعظم (۹۴۶ھ - ۹۷۴ھ) شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو ۱۲۵۲ھ میں بولاق میں اور ۱۳۰۱ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ جارج راسن ــــــ GEORGE RCSEN نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیزگ ــــ میں طبع

ہوا ہے۔

(۲) دکنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو سنہ ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے سنہ ۱۰۷۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس GAIRANS نے ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے۔

مُلّا سیّد محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکنی میں سنہ ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) اُردو میں سیّد حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے سنہ ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا۔ اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے۔ ہندوستان میں اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے۔

(۳) انگریزی میں گلاڈوین GLADWIN نے ترجمہ کیا ہے جو فارسی متن کے ساتھ سنہ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں چھپا ہے۔

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن IKEN نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۸۲۲ء میں اشٹاٹگرٹ میں طبع ہوا ہے۔

(ریو ص ۳۲ ایتھے نمبر ۳۴۳ و ۷۵۲۔ رشکر جلد اوّل نمبر ۱۴)

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

- خلاصے
  - ابو الفضل علامی کا خلاصہ دسویں صدی
  - سید محمد قادری کا خلاصہ گیارہویں صدی
    - دکھنی ترجمہ سنہ ۱۱۴۲ھ
    - انگریزی ترجمہ از گلاڈوین سنہ ۱۸۰۰ء
    - اردو ترجمہ سید حیدر بخش حیدری سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء
      - ہندی ترجمہ جسکا نام ہے سوک بہتری سنہ ۱۸۸۶ء
    - جرمنی ترجمہ پروفیسر ایکن سنہ ۱۸۲۲ء
- ترکی ترجمہ از عبداللہ ثماری مابین سنہ ۹۴۶ھ و سنہ ۹۶۲ھ
- دکنی ترجمہ از ملا غواصی سنہ ۱۰۳۹ھ
- دکنی ترجمہ ابن نشاطی سنہ ۱۰۶۲ھ
- انگریزی ترجمہ جیرانس سنہ ۱۷۹۲ء
- ترجمے
  - جرمن ترجمہ جارج راسین سنہ ۱۸۵۸ء

ضمیمۂ سوم

حسن و دل

متعلقہ صفحہ ۴۹

حسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے اور اس کو نظم و نثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) مولانا فتاحی۔ ان کا نام محمد بن یحییٰ سیبک ہے۔ سلطان شاہ رخ مرزا (سنہ ۸۰۷ھ و سنہ ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گذرے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۸۵۳ھ میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے کئی تخلص تھے، تفاحی، فتاحی۔ اسراری، خماری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے۔ حسن و دل اور شبستان خیال۔ اُن کی مشہور تصنیفات ہیں۔

حسن و دل کا نام دستور عشاق ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اس میں پانچ ہزار ابیات ہیں سنہ ۸۴۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے چنانچہ خاتمہ میں اس کا ذکر مصنف نے اس طرح کیا ہے۔

پے ایں روضۂ بستان عالم چو تاریخ تماشش دارِ "حزم"

گرین شیلڈ GREENSHIELD نے اسے سنہ ۱۹۲۶ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ پیرس میں چھپوایا ہے۔

دولت شاہ طبع لیڈن ص ۴۱۷ مبئی ص ۱۸۳ لاہور ص ۲۸۶ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۱۴۰
طبقات اکبری ص ۲ بدایونی ص ۳۵۷ ج ۳ آتشکدہ ص ۲۶۶

(۲) مولانا صرفی۔ نام صلاح الدین ہے۔ سادہ کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ زمانہ ملا نظام الدین احمد بخشی کے ساتھ گجرات میں بسر کیا۔ پھر فیضی کے ساتھ دکن چلے گئے۔ اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ حسن و دل کو انھوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ نہایت مؤثر اور زوردار مثنوی ہے ۹۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے "عاشق و معشوق" سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔

(۳) بیخود۔ ملا جامی۔ ان کا لقب ہے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے زمانے میں گزرے ہیں۔ بادشاہ نے انھیں نامدار خاں کا خطاب عطا کیا تھا۔ تاریخ خوب کہا کرتے تھے۔ ۱۰۸۶ھ میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ حسن و دل کو اُنھوں نے بھی نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اس کی مصرعہ ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی بہ مستان بزم نیاز

سرخوش نے کلمات الشعرا میں اُن کے حالات لکھے ہیں۔

(۴) خواجہ محمد بیدل۔ یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ اُنھوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے "داغ دلبند" سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔ ابتدا کی پہلی سطر یہ ہے۔

گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال۔

حسن و دل کے متعلق بعض مفید معلومات کیلئے دیکھئے ڈاکٹر ایتھے کا مضمون۔
NEUPERSISCHEN LITTERATUR G.I.PH. VOL II PP-334

کتابیات

تاریخ

	نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱)	دول الاسلام	امام شمس الدین ذہبی	حیدرآباد سنہ ۱۳۳۷ھ
(۲)	المختصر فی اخبار البشر	ابوالفدا حموی	مصر سنہ ۱۳۲۵ھ
(۳)	تاریخ جہانکشا	مُلّا علاء الدین جوینی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴)	جامع التواریخ	وزیر رشید الدین فضل اللہ ہمدانی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۵)	طبقات ناصری	قاضی منہاج الدین جوزجانی	کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
(۶)	روضۃ الصفا	میر اخوند محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ھ	بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ
(۷)	حبیب السیر	میر غیاث الدین اخوند میر المتوفی سنہ ۹۴۲ھ	بمبئی سنہ ۱۲۷۳ھ
(۸)	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء
(۹)	بابر نامہ	محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ	قازان سنہ ۱۸۵۷ء
(۱۰)	آئین اکبری	شیخ ابوالفضل علامی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء
(۱۱)	طبقات اکبری	مُلّا نظام الدین احمد بخشی	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۵ء
(۱۲)	اقبال نامہ جہانگیری	محمد شریف معتمد خاں	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۰ء
(۱۳)	منتخب التواریخ	شیخ عبدالقادر بدایونی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۵ء
(۱۴)	تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۴ء
(۵)	منتخب اللباب جلد سوم	محمد ہاشم خافی خاں	کلکتہ سنہ ۱۹۲۵ء

(۱۶) حدیقۃ السلاطین	مُلا نظام الدّین احمد شیرازی	قلمی ہمکو کہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی
(۱۷) حدیقۃ العالم	نواب میر عالم موسوی	حیدرآباد سنہ ۱۳۱۲ھ
(۱۸) بساط السلاطین	محمد ابراہیم زبیری	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۷ھ
(۱۹) مآثر عالم گیری	محمد ساقی مستعد خاں	کلکتہ سنہ ۱۸۷۳ء
(۲۰) مرآۃ احمدی	علی محمد خاں دیوان	بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ
(۲۲) تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	دہلی سنہ ۱۳۰۷ھ
(۲۲) سلسلہ آصفیہ	سررشتہ علوم و فنون سرکار عالی	آگرہ سنہ ۱۸۹۹ و آباد سنہ ۱۹۰۴ء
(۲۳) تاریخ خورشید جاہی	منشی غلام امام خاں دہلوی	حیدرآباد سنہ ۱۲۸۹ھ

(تراجم صوفیہ)

(۲۲) اسرار الاولیا	خواجہ بدر الدّین	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۵) جواہر فریدی	خواجہ بدر الدّین الحق	لکھنؤ سنہ ۱۰۳۳ھ
(۲۶) اخبار الاخیار	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۷) سفینۃ الاولیا	محمد دارا شکوہ	لکھنؤ سنہ ۱۸۸۴ء
(۲۸) خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۳ء
(۲۹) زاد المتقین	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	قلمی سنہ ۱۰۰۳ھ

(تراجم شعرا)

(۳۰) لباب الالباب	نورالدین عوفی	لیڈن سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۱) ہفت اقلیم	امین احمد رازی	کلکتہ سنہ ۱۹۱۸ء

(۳۲)	سرو آزاد	میر غلام علی آزاد بلگرامی	لاہور سنہ ۱۹۱۳ء
(۳۳)	نتائج الافکار	محمد قدرت اللہ خاں گوپاموی	مدراس سنہ ۱۲۵۹ھ
(۳۴)	گلستان سخن	مرزا قادر بخش صابر	لکھنؤ سنہ ۱۲۸۱ھ
(۳۵)	نکات الشعراء	میر تقی میرؔ	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۰ء
(۳۶)	تذکرہ شعرائے اردو	میر حسن دہلوی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۲ء
(۳۷)	گلشن ہند	مرزا علی لطف	لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۸)	گل رعنا	مولوی عبدالحی ندوی	اعظم گڑھ سنہ ۱۳۴۳ھ
(۳۹)	گلشن بے خار	نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۰)	گلستان بیخزاں	محمد قطب الدین باطن	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۱)	آب حیات	مولوی محمد حسین آزاد	دہلی سنہ ۱۸۹۶ء
(۴۲)	تذکرہ شعرائے دکن	مولوی عبدالجبار ملکاپوری	حیدرآباد سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴۳)	مخزن نکات	محمد قیام الدین قائمؔ	قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ
(۴۴)	چمنستان شعراء	لچھمی نرائن شفیق	قلمی مخزونہ کتب خانہ آصفیہ

(تراجم عام)

(۴۵)	سبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ
(۴۶)	نجوم السماء	محمد صادق لکھنوی	لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ
(۴۷)	محبوب الالباب	مولوی خدا بخش خاں	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ھ
(۴۸)	تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	لکھنؤ سنہ ۱۸۹۴ء
(۴۹)	تذکرۂ خوشنویساں	غلام محمد ہفت قلم	کلکتہ سنہ ۱۹۱۰ء
(۵۰)	روضۃ الاولیائے بیجاپور	محمد ابراہیم زبیری	رائچور سنہ ۱۳۰۳ھ

(۵۱)	سخن شعرا	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ

متفرق

(۵۲)	عجائب الاسفار	ابن بطوطہ	لاہور سنہ ۱۸۹۷ء
(۵۳)	آثار الصنادید	ڈاکٹر سر سید احمد خاں	کانپور سنہ ۱۹۰۴ء
(۵۴)	باغ و بہار	میر امن دہلوی	لندن سنہ ۱۸۸۹ء
(۵۵)	دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشا	لکھنؤ سنہ ۱۹۲۰ء
(۵۶)	تحقیق زبان ریختہ	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنؤ سنہ ۱۸۹۰ء
(۵۷)	دبستان مذاہب	ذوالفقار اردستانی	کلکتہ سنہ ۱۲۲۴ھ
(۵۸)	جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کلکتہ سنہ ۱۲۷۱ھ
(۵۹)	منتخبات فارسی	موسیو شیفر	پیرس سنہ ۱۸۸۵ء
(۶۰)	ترجمہ انوار سہیلی	محمد ابراہیم بیجاپوری	مدراس سنہ ۱۸۴۸ء
(۶۱)	کشف الظنون	حاجی خلیفہ مصطفیٰ چلپی	مصر سنہ ۱۳۱۰ھ
(۶۲)	ریاض الجنان	محمد باقر آگاہ	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ھ
(۶۳)	بحر الفضائل	محمد بن قوام بن رستم بلخی	قلمی کتب خانہ آصفیہ
(۶۴)	ادات الفضلا	قاضی خاں ملا نذر محمد دہلوی	〃 〃 〃
(۶۵)	شرف نامہ	قوام الدین ابراہیم فاروقی	〃 〃 〃
(۶۶)	مؤید الفضلا	شیخ لاد دہلوی	لکھنؤ سنہ ۱۸۸۴ء
(۶۷)	بہار عجم	ٹیک چند بہار	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۹ء
(۶۸)	رسالہ اردو	انجمن ترقی اردو بابت سنہ ۱۹۲۴ء و سنہ ۱۹۲۸ء	
(۶۹)	لسان العصر	بابت سنہ ۱۹۱۰ء	
(۷۰)	اورئینٹل کالج میگزین	بابت سنہ ۱۹۲۵ء	

انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی

(۷۱) فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم مرتبہ چارلس ریو — لندن سنہ ۱۸۷۹ء تا سنہ ۱۸۸۳ء

(۷۲) فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس مرتبہ ہرمن ایتھے — لندن سنہ ۱۸۹۰ء

(۷۳) فہرست کتب خانہ شاہان اودھ مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر — کلکتہ سنہ ۱۸۵۴ء

(۷۴) فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان مرتبہ میجر اسٹوارٹ — لندن سنہ ۱۸۴۲ء

(۷۵) فہرست مخطوطات اُردو انڈیا آفس مرتبہ بلوم ہارٹ — لندن سنہ ۱۸۲۶ء

(۷۶) فہرست مخطوطات اُردو برٹش میوزیم مرتبہ بلوم ہارٹ — لندن سنہ ۱۸۲۷ء

(۷۷) ذخیرہ کرنل میکنزی مرتبہ ڈاکٹر ولسن — کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء

(۷۸) فہرست مخطوطات جرمن اورنٹیل سوسائٹی — لیپزگ سنہ ۱۹۱۱ء

(۷۹) فہرست مسکوکات مغلیہ انڈین میوزیم مرتبہ نلسن رائٹ — سنہ ۱۹۰۸ء

(۸۰) فہرست مسکوکات مغلیہ پنجاب میوزیم مرتبہ وائٹ ہیڈ — سنہ ۱۹۱۴ء

(۸۱) تاریخ ہندوستان مولفہ جنرل الفنسٹن — لندن سنہ ۱۹۰۵ء

(۸۲) تاریخ ہندوستان مولفہ سر ہنری الیٹ — لندن سنہ ۱۸۷۷ء

(۸۳) جدید آریائی السنہ کا گرامر مولفہ مسٹر بمیس — لندن سنہ ۱۸۶۰ء

(۸۴) ہندوستانی فیلالوجی مولفہ ڈاکٹر گل کرسٹ — لندن سنہ ۱۸۱۰ء

(۸۵) ایشیاٹک ریسرچز ڈاکٹر کولبروک

(۸۶) تاریخ ادبیات ہندوستان۔ ڈاکٹر ونٹرنز — لیپزگ سنہ ۱۹۰۵ء

(۸۷) تاریخ ادبیات ہندی ہندوستانی ڈاکٹر گارسن ڈی ٹاسی — پیرس سنہ ۱۸۷۰ء

۸۸ ادبیات فارسی ہرمن ایتھے۔ — اسٹراسبرگ سنہ ۱۸۹۶ء

۸۹ ضمیمہ مسکوکات رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی — سنہ ۱۹۰۴ء

۹۰ پراکرت پرکاش — لندن سنہ ۱۸۶۸ء

قدیم تصنیفات

قدیم تصنیفات کے قدیم اور چھپے ہوئے نسخے جو دوران تالیف میں مولف کے پیش نظر رہے ہیں۔

احکام الصلوٰۃ۔ از شاہ ملک (صـ ۸۸) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۷۷ھ

پنچھی باچہ۔ از وجدی صـ ۱۰۳) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۲۰ھ۔ چار مطبوعہ۔ مدراس سنہ ۱۲۷۲ھ و سنہ ۱۳۱۴ھ بمبئی سنہ ۱۲۸۰ھ و سنہ ۱۳۱۹ھ

پھولبن۔ از ابن نشاطی (صـ ۶۹) دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۷۰ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ مکتوبہ سنہ ۱۲۵۰ھ مملوکہ مولف۔

تحفہ عاشقاں۔ از وجدی (صـ ۱۰۴) ایک نسخہ قلمی مملوکہ مولوی ظفریاب خانصاحب۔

تحفۃ العاشقین۔ از سید میران حسینی (صـ ۶۶) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۷۴ھ مملوکہ مولف

تحفۃ النصائح۔ از ملا قطبی (صـ ۶۷) دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مولف۔ مکتوبہ سنہ ۱۲۶۰ھ مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر۔

تنبیہ نامہ از ولی بیجاپوری (صـ ۱۰۵) ایک نسخہ قلمی مملوکہ مولف۔

جواہر الاسرار اللہ از سید شاہ علی حسینی گانوں دہنی (صـ ۲۷) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۴۸ھ۔

خوب ترنگ معہ امواج خوبی۔ از شیخ خوب محمد چشتی (صـ ۴۹) ایک نسخہ مطبوعہ پٹنہ سنہ ۱۳۲۰ھ

خاور نامہ از رستمی (صـ ۸۳) ایک نسخہ قلمی مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔

دیوان سراج ۔ (ص۱۱۰) دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۲۶۴ھ و ۱۲۸۹ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ

دیوان ولی ۔ (ص۱۰۷) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۹ھ مملوکہ مولف ۔ تین نسخے مطبوعہ ۔ پیرس ۱۸۳۴ء لکھنؤ ۱۸۷۸ء و انجمن ترقی اردو ۱۹۲۸ء ۔

دیپک پتنگ ۔ از سید محمد عشرتی (ص۹۸) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر ۔

رسالہ قربیہ ۔ از امین الدین اعلی (ص۸۳) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ مولف ۔

رسالہ وجودیہ ۔ از قاضی نور دریا (ص۱۱۹) ایک نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۶۱۴ھ ۔

روضۃ الشہداء ۔ از ولی دکنی (ص۱۰۱) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۸۰ھ دو نسخے مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۷ھ و ۱۳۱۳ھ ۔

سب رس ۔ از ملا وجہی (ص۱۱۶) تین نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (۲) ناقص الآخر موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف نمبر ۱۹۵ و ۶۳۲ مکتوبہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مولف ۔

شرح تمہیدات ۔ از سید میراں جی خدانما (ص۱۱۷) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر ۔ مولف نے اسے بمقام ویلور کتب خانہ واقع مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے ۔

شمائل الاتقیا ۔ از میراں یعقوب (ص۱۱۸) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۶۳ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف نمبر ۶۶۳

طوطی نامہ۔ از مُلّا غواصی (ص ۶۵) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۴ھ مملوکہ مولف۔

عشق نامہ۔ از عبدالمومن (ص ۹۰) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۱۳ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ سوانحعمری ۲۵۰۔

علی نامہ۔ از مُلّا نصرتی (ص ۸۵) ایک نسخہ قلمی ملا تاریخ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔

قصۂ بہرام و حسن بانو۔ از امین و دولت (ص ۴۸) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۱ھ۔

قصۂ بہرام و گل اندام۔ از طبعی (ص ۷۰) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۲ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم۔

قصۂ چندر بدن۔ از مقیمی (ص ۹۴) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۰ھ

قصۂ رتن پدم۔ از ولی دکنی (ص ۱۰۰) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مولف نے اسے بمقام ویلور مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے۔

قصۂ رضوان شاہ۔ از فائز (ص ۷۲) ایک نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ قصص ۱۲۱

قصۂ سیف الملوک۔ از مُلّا غواصی (ص ۶۴) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۹۰ھ دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۳ھ مملوکہ مولف، مکتوبہ سنہ ۱۲۲۹ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔

قصۂ ملکہ مصر۔ از عاجز دکنی (ص ۹۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ۔

گلدستۂ عشق۔ از صنعتی (ص ۱۰۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۶ھ

گلشن احسان۔ از سید علی احسان ص ۹۹ ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر۔

گلشن عشق۔ از ملا نصرتی ص ۸۶ تین نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ ۱۱۶۲ھ موجود کتب خانہ آصفیہ مثنویات ۲۹۹ (۲) مکتوبہ ۱۲۶۲ھ مملوکہ مصنف (۳) ناقص الاول و آخر مملوکہ مصنف۔

گنج عرفان از میران جی شمس العشاق ص ۸۱ ایک نسخہ مطبوعہ شاہ نور ۱۲۸۱ھ

مخزن عشق۔ از وجدی (ص ۱۰۳) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر حیات

معراج العاشقین۔ از خواجہ سید محمد گیسو دراز حسینی (ص ۱۱۵ ایک نسخہ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۵ء۔

معرفۃ السلوک۔ از شاہ ولی اللہ حیدرآبادی (ص ۱۱۹) دو نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ ۱۱۹۵ھ (۲) بلا تاریخ موجودہ کتب خانہ آصفیہ تصوف ۲۴۵ ۶۸۰۔

من لگن۔ از محمود بحری (ص ۹۷) چار نسخے مطبوعہ مدراس ۱۲۷۸ھ و ۱۳۰۷ھ بنگلور ۱۳۱۰ و ۱۳۳۵ھ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۳۴ھ معہ ابیات من لگن مملوکہ مؤلف۔

نیہ درپن۔ از سید احمد ہنر (ص ۹۹) ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر۔

ہدایت ہندی۔ از ضعیفی (ص ۹۲) ایک نسخہ مطبوعہ مدراس ۱۲۸۷ھ

یوسف زلیخا۔ از امین گجراتی (ص ۱۰۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۲ھ

یوسف زلیخا۔ از ہاشمی۔ (ص ۹۰) دو نسخے قلمی (۱) مکتوبہ ۱۱۷۶ھ مملوکہ مولف (۲) موجودہ کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ مدراس۔

انڈکس

ملحقات

اُردوئے قدیم

دورِ قدیم کے مشاہیر شعرا اور مصنفین

کی

زبان اور کلام کے

نمونے

قدمائے مصنفین

اوراق مابعد میں قدمائے مصنفین کا جو نمونۂ کلام جمع ہے اُسے ادوار و ازمنہ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تاکہ زبان کے تغیرات اور عہد بہ عہد کی ترقیاں سلسلہ وار نمایاں ہو سکیں۔ اگر ناظرین ان نمونوں کو جغرافیائی تقسیم اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے کتاب کے ابواب و فصول کے ساتھ ان کی مطابقت کر لینا چاہیئے۔

نمونوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ کسی ایک مقام سے مسلسل ابیات یا عبارتیں نقل کر لی گئی ہیں۔ تاکہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے زبان کی حقیقی کیفیت ظاہر ہو سکے۔ اُس زمانہ میں مضامین کی بندش، خیالات کی بلندی اور شاعرانہ جذبات بالکل فارسی شاعری کے تابع نظر آتے ہیں۔ ان چیزوں کے دکھانے کے لئے چیدہ چیدہ ابیات کے انتخاب کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسا کیا جاتا تو زبان کے اصلی خدوخال پر پردہ پڑ جاتا اور یہ نمونے شعر و سخن کی بیاض بن جاتے۔ تاہم سلطان محمد قلی قطب شاہ۔ مُلّا غواصی۔ مُلّا نصرتی۔ میاں ہاشمی۔ عشرتی وغیرہ شعرا کے

نمونوں سے اس عہد کی شاعری اور شعرا کے زور کلام کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔

ان نمونوں میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ قدیم ترکیبیں اور متروک جملے ناظرین کو کثرت کے ساتھ نظر آئیں گے۔ جن کی وجہ سے زمانۂ حال میں اُن کا سمجھنا اور اُن کے مطالب سے بہرہ ور ہونا دشوار ہوگیا ہے۔ لیکن دکنی زبان کے قدیم املا اور صرفی ونحوی خصوصیات سے واقف ہونے کے بعد یہ مشکل آسانی کے ساتھ حل ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں پہلے ان امور کی نسبت چند خاص خاص باتیں بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد بعض مشکل اور مغلق الفاظ کے معنی بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہارس کی قدیم دکنی ڈکشنری (سنہ ۱۱۸۶ھ) اور ملا محمد مہدی واصف کی ہندی لغات (سنہ ۱۲۴۸ھ) من لگن اور دکنی انوار سہیلی کے فرہنگوں سے ہمیں بہت بڑی مدد ملی ہے۔

۱۔ دکنی تصنیفات میں عربی فارسی الفاظ کا املا مروجہ قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے اور اہل دکن نے ہندی اصوات کے لحاظ سے ان کا تلفظ تحریر کیا ہے۔

مثلاً مروجہ املا		دکنی املا	
"	دعویٰ	"	داوا
"	خوشی	"	خُشی
"	صُبح	"	صُبا

مثلاً مروجہ املا		دکنی املا
صحیح	"	صحی
نفع	"	نفا
وضع	"	وضا

اسی طرح اکثر ہندی الفاظ کا املا بھی ان کتابوں میں اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مثلاً

تجھ تجھے تجھ کو	تج۔ تجے۔ تجکوں
مجھ۔ مجھے۔ مجھ کو	منج منجے ، منجکوں
ساتھ	سات
ہاتھ	ہات
کچھ	کچ
سُکھ	سُک
مُکھ	مُک

۲۔ دکنی بولنے والے عام طور پر اسم کے آخر میں الف نون زیادہ کر کے جمع بناتے ہیں۔ مثلاً

آنکھ	سے	انکھیاں
انجو	سے	انجواں
جنس	سے	جنساں
نعمت	سے	نعمتاں

نین	سے	نیناں
میوہ	سے	میواں

۳۔ دکنی میں عام طور پر ماضی کے آخر میں الف سے پہلے (ی) اضافہ کی جاتی ہے۔ مثلاً

کہا	کہیا
دیکھا	دیکھیا
رکھا	رکھیا
پکڑا	پکڑیا
لکھا	لکھیا

۴۔ عطف کا (اور) دکنی میں ہمیشہ (ہور) لکھا جاتا ہے۔

۵۔ دکنی میں حرف (چ) کو اخیر میں زیادہ کرنے سے حصر اور تخصیص کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

اکیلا	سے	اکیلاچ	یعنی	اکیلا ہی
ایتا	سے	ایتاچ	"	اتنا ہی
تیرا	سے	تیراچ	"	تیرا ہی
اپنا	سے	اپناچ	"	اپنا ہی
ایک	سے	ایکیچ	"	ایک ہی
تون	سے	توچ	"	تو ہی
واں	سے	وانچ	"	وہاں ہی

کبھی کبھی (ہچ) سے پہلے (ہی) بھی اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً
اکیلاہیچ - ایتاہیچ - اپناہیچ وغیرہ

۶۔ دکنی زبان میں حروف جارہ استفہام اور ضمائر وغیرہ کی حسب ذیل شکلیں ہوا کرتی ہیں۔

یہ	یہ۔ یو
وہ	وو۔ اون
سے	تے۔ سون۔ سین۔ سیتی۔ سیتن
تک	لگ۔ تلگ۔
کا	کیرا۔
کے	کہ۔
کی	کیری۔
نہیں	نین۔ نکو۔ نھیں
ہے	اہے۔ اچھے۔
ہو	اچھو۔
ہوں	اچھوں۔
میں	ماں۔ موں۔
وہاں	واں۔
یہاں	یاں۔
وہیں	دیں۔

یہیں	ییٹیں
میں	منے۔ منیں
ہم	ہمن
ہمکو	ہمنا
تو	توں
تم	تمن
تمکو	تمنکوں
آپ	اَپن۔ اپین
اپنا	اپس کا
اوس	اون۔ تس
اُس نے	اُنے۔ تِسنے
انھوں	اُنوں
آگے	اگل۔ اگن۔ اگو۔ انگیں
اندر	بھیتر۔ بھتر
باہر	بہار
نیچے	تل
اوپر	اُپر۔ بالا
پاس	کن۔ کنے
بہت	بہوت۔

کبھی	کدھی۔ کدھیں۔ کبھیں
جو	جے
جو کوئی	جکوئی
جو کچھ	جکچھ
اتنا	اِتا۔ ایتا
کرتا	کیتا۔

۷۔ بعض قدیم مصادر اور اُن کے مشتقات جو مدت ہوئی کہ متروک ہو گئے ہیں۔

اُچھنا۔ ہونا۔ رہنا   اچھے   ہوے   رہے۔

انبڑنا۔ پکڑنا

اوچانا۔ اُٹھانا۔ بلند کرنا۔ اوچا۔ بلند۔

دِسنا۔ دیکھنا۔ دسنا۔ دکھائی دینا دِسے۔ دیکھائے دے

بسٹنا۔ ڈالنا۔ پھینکنا۔ سٹ۔ ڈال پھینک۔ سٹیا۔ ڈالا پھینکا۔

کاڑنا۔ نکالنا۔

کنا۔ کہنا۔ کتا۔ کہتا۔ کتے۔ کہتے۔

۸۔ قدیم قاعدے کے موافق مصدر کا الف گرا کر (ہار) اضافہ کرنے سے اسم فاعل بنتا ہے۔ مثلاً۔

اچھنا	سے	اُچھنہار
سُنا	سے	سُنہار

دسنا سے دسنہار

کاڑنا سے کاڑنہار

۹۔ چند قدیم دکنی الفاظ کے معنی جو نمونوں میں آئے ہیں۔

آدھار فہم و فکر	آرسی آئینہ
اپرال۔ اُوپر۔ بالا	اُپروپ۔ بے مثل
اَچپل۔ شوخ۔ خوش طبع	اَدک۔ بہت، زیادہ
اَرت۔ معنی	اڑکا۔ پیسہ
انبر۔ لباس۔ پوشاک	انت نہایت
انجو۔ آنسو	انگار۔ آگ۔ آتش
باٹ۔ راستہ	باج۔ بغیر۔ سوا۔
باوُلا۔ دیوانہ	بچن۔ بات۔ سخن
بَن۔ بالفتح۔ باغ	بِن۔ بالکسر۔ بغیر۔
بھنور۔ زنبور	بھَیں۔ بھوئیں۔ زمین
پات۔ پت۔ برگ۔ پتّا	پتواس۔ پتے۔
پربت۔ پہاڑ	پنڈ۔ جسم، بدن
پنکھ۔ پرندہ	پوران۔ قصہ داستان
پون۔ ہوا	
ترت فی الفور	ترلوک۔ کائنات۔ موجودات عالم
تھل۔ زمین۔ جگہ۔	تلاو۔ تالاب

ٹھاڑ۔ مکان و مسکن	ٹھاؤں۔ جگہ۔ مقام
جگ۔ جگت۔ زمانہ	جگل۔ جنگل
جل۔ پانی	جوت۔ نور
جھنجھ۔ تشویش	جیو۔ جی۔ دل۔ روح
چندر۔ چاند	چندرگل۔ گل چاندنی
چنگی۔ چنگاری	
درپن۔ آئینہ	ڈھنگ۔ خیال، روش
دھنی۔ مالک۔ تونگر	دیا۔ دیوا۔ چراغ
رت۔ رُوت۔ موسم	رسن۔ زبان
روپ۔ شکل صورت	روپا۔ چاندی
رین۔ رات	
زرینا۔ زیور	
سار۔ مانند	سرگ۔ عالم بالا۔ فردوس
سری۔ برابر	سگل۔ ہمہ۔ سب
سگن۔ خوبی شگون	سکی۔ سہیلی
سمدور۔ سمندر	سنسار۔ دُنیا۔ جہان
سنپورن۔ ماہ کامل	سہس۔ ہزار
سیس۔ سر	سیوا۔ پرستش۔ عبادت
سیوک۔ خادم۔ خدمت گار	

شاہ مارگ۔ شاہراہ

عارس۔ عاروس۔ دلہن

فرنگ۔ سیدھی تلوار

کال۔ دشمن

کھورا۔ مغاک۔ گڑھا

گگن۔ آسمان

گمبھیر۔ عمیق۔ مردم سنجیدہ

گھن۔ بالکسر نفرت، کراہت

لاگ۔ مہر و محبت۔ بغض و کینہ

مارگ۔ راستہ

مکھ۔ مُنھ

میا۔ محبت

ناز۔ عورت

نچنت۔ بیفکر

نس۔ رات

نون۔ خوبصورت۔ حسین

نیر۔ پانی۔

کٹک۔ فوج

گل سور۔ سورج مکھی

گہن۔ بالفتح ابر۔ سحاب

گھنیرا۔ بہت

مد۔ شراب

مہکار۔ خوشبو

نچھل۔ پاک وصاف

نرمل۔ خالص بے عیب

نمن۔ نمونہ۔ مانند

نین۔ آنکھ

نمونہ کلام کی تقسیم ادوار و ازمنہ کے لحاظ سے

سنہ ۸۲۵ھ تا سنہ ۹۹۹ھ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز (سنہ ۸۲۵ھ) معراج العاشقین حضرت میراں جی شمس العشاق (سنہ ۹۰۲ھ) شہادۃ التحقیق
سید شاہ علی گام دھنی (سنہ ۹۷۳ھ) جواہر اسرار اللہ امین کمال بہرام حسن بانو

سنہ ۱۰۰۰ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ

سلطان محمد قلی قطب شاہ کلیات ملا احمد لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی سب رس (سنہ ۱۰۴۴ھ) میراں حسینی تحفۃ العاشقین سنہ ۱۰۵۰ھ
ملا قطبی تحفۃ النصائح (سنہ ۱۰۴۵ھ) ملا غواصی طوطی نامہ (سنہ ۱۰۴۹ھ)

سنہ ۱۰۵۰ھ تا سنہ ۱۰۹۹ھ

دولت بہرام و حسن بانو (سنہ ۱۰۵۰ھ) نصرتی گلشن عشق (سنہ ۱۰۶۸ھ)
ابن نشاطی پھول بن (سنہ ۱۰۶۹ھ) شیخ امین الدین اعلیٰ رسالہ قربیہ (سنہ ۱۰۸۴ھ)
میراں یعقوب شمائل الاتقیا (سنہ ۱۰۹۰ھ) فائز قصہ رضوان شاہ (سنہ ۱۰۹۴ھ)
مقیمی قصہ ملکہ مصر سنہ ۱۰۹۸ھ ہاشمی یوسف زلیخا (سنہ ۱۰۹۹ھ)

سنہ ۱۱۰۰ھ تا سنہ ۱۱۵۹ھ

عاجز قصہ ملکہ مصر سنہ ۱۱۰۰ھ سید شاہ میر اسرار التوحید (سنہ ۱۱۰۱ھ)
عشرتی دیپک پتنگ (سنہ ۱۱۰۷ھ) شاہ ولی اللہ معرفۃ السلوک (سنہ ۱۱۰۹ھ)
بحری من لگن (سنہ ۱۱۱۲ھ) ولی دکنی روضۃ الشہداء (سنہ ۱۱۱۹ھ)
ہنر نیہ درپن (سنہ ۱۱۴۴ھ) وجدی پنچھی باچھا (سنہ ۱۱۴۶ھ)
ولی اورنگ آبادی کلیات سراج منتخب دیوان
صنعتی قصہ فغفور چین (سنہ ۱۱۵۹ھ)

نمونہ کلام کی تقسیم جغرافیائی اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے

(۱) سلاطین بہمنیہ اور شاہان گجرات کے دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

خواجہ بندہ نواز (سنہ ۸۲۵ھ)	معراج العاشقین	سید شاہ علی گام دھنی (سنہ ۹۷۳ھ)	جواہر اسرار اللہ
امین گجراتی	قصۂ بہرام و حسن بانو		

(۲) قطب شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلیٰ مجنوں سنہ ۱۰۲۵ھ
ملا وجہی	سب رس سنہ ۱۰۴۴ھ	میراں حسینی	تحفۃ العاشقین سنہ ۱۰۴۵ھ
ملا قطبی	تحفۃ النصائح (سنہ ۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ (سنہ ۱۰۴۹ھ)
ابن نشاطی	پھول بن (سنہ ۱۰۷۶ھ)	فائز	قصۂ رضوان شاہ سنہ ۱۰۹۲ھ

(۳) عادل شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

شمس العشاق میراں جی (سنہ ۹۰۲ھ)	شہادت التحقیق	ملا نصرتی	گلشن عشق سنہ ۱۰۶۸ھ
امین الدین اعلیٰ	رسالہ قربیہ سنہ ۱۰۸۰ھ	میراں یعقوب	شمائل الاتقیا سنہ ۱۰۹۰ھ
میاں ہاشمی	یوسف زلیخا (سنہ ۱۰۹۹ھ)		

(۴) مغلیہ دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مقیمی	قصۂ ماہیار و چندر بدن (سنہ ۱۰۹۸ھ)	عاجز	قصۂ ملکۂ مصر (سنہ ۱۱۰۰ھ)
شاہ میر	اسرار التوحید (سنہ ۱۱۰۹ھ)	ملا عشرتی	دیپک پتنگ (سنہ ۱۱۰۷ھ)
شاہ ولی اللہ	معرفۃ السلوک (سنہ ۱۱۰۹ھ)	بحری	من لگن (سنہ ۱۱۱۲ھ)
ولی دکنی	روضۃ الشہداء سنہ ۱۱۱۹ھ	ہنر	نیہ درپن (سنہ ۱۱۴۴ھ)
وجدی	پنچھی باچھا (سنہ ۱۱۴۶ھ)	ولی اورنگ آبادی	کلیات
سراج	منتخب دیوان (سنہ ۱۱۵۲ھ)		

شمس العشاق میراں جی،

از شہادۃ التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم توں سبحان
تو دانا اور بینا — توں سب تھے ہے توانا
یہ سب عالم تیرا — رزاق سب ہوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئی — نہ خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوے کرم — تو ٹوٹے سب ہی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاون — اور تیرا نام لیون
تجھ نرتا کون جانے — اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار — کس موکھوں کروں اچار
سب حال تجھ پر بہتا — راکھے تیون رہتا
جو تیرا امر جانے — اس نہی کوئی نہ مانے

صفت کروں میں اللہ کیری جے پوری پورن پور
قادر قدرت انگیکاروں نت تیرے نا دور
نا اس روپ نا اس دیکھ نا اس تھان مکان
نو گنا گنونتا کر دا کس مکھ کروں بکھان
لا شریک بے عدد واحد جہت جز دوں بھی پاکھ
اچھے سکت سیوک کیتے عالم جیندیں لاکھ

(رسالہ اردو جلد ہفتم)

سیّد شاہ علی حسینی

از کتاب جواہر الاسرار آلہ

آپہیں کھیلوں آپ کھلاؤں — آپہیں آپس لے کل لاؤں

میرا ناؤں منجھے ات بھاوے — میرا جی منجھے پر جاوے
میری نیہ منجھے سوں مائے — رہری اپنیں رُوپ لبھائے

کہیں سو مجنوں ہو برلاوے — کہیں سو لیلی ہوئے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے — کہیں سو شیریں ہو کر آوے

اپنن ایسی بوجھی سارو — بوجھی تھی ان بوجھیا دارد

سمرک اچھر ہور مت درماری — ہرجے اس منہ ندیان باری
مانک موتی سکہ سنذکارا — اسے سب بھیس پیا کا ساری

کبہیں سو ہوئے اندھیاری راتا — سانج بہی کر لادے دھاتا
ہو کر دیورا رایتں ساری — لاکر جوت دکھاوے بھاری

مکھ پر بال بکھیر سو ساتھی — چھپ کر ہوئے رات سنگھاتی
دلی سنبھال سو بکھرے کیسا — دن ہوا دے سورج بھیسا

امین

معاصر سلطان بہادر شاہ گجراتی

(از داستان بہرام وحسن بانو)

قصہ کون جو واقف ہو پاوے خبر — خدا کی خدائی میں تھا ایک شہر
اسے شہر فارس رکھا نام تھا — وہاں نام بادشاہ نام بہرام تھا
اسم شاہ بہرام کا تھا اصل — اسے گور کے صید کا تھا شغل
لقب تب ہوا شاہ بہرام گور — نہ تھا کوئی جہان میں مثل اسکے اور
اتھا خوب صورت بہت بیمثال — نزاکت شباہت میں صاحب جمال
وہ تھا مرد عادل بڑا ذی قیاس — غریبوں کی ملجائے تھا وہ حساس
وہ یک روز بیٹھا تھا شہ نامدار — نجومی بلائے اسی وقت چار
کہو اے نجومی میرے راز کو — بدی اور نیکی جو میری کہو
کہیا یک نجومی نے اے کامگار — تیرے ملک کی حد ہے قایم چہار
کدھی تم سدھارو برائے شکار — یہ تینوں طرف کو تو ہو کر سوار
نہ چوتھے طرف کو سدھارو بھلا — جو جاؤگے واں تم تو ہے بے خطا
کہا شہ نے اسکا سبب دے بتا — کہ چوتھے طرف کا بتا دے پتا
نجومی نے دل میں کیا تب فکر — کہوں سب یہ احوال میں کھول کر
معما کہا ہے وہ سمجھائے گر — وہ نزدیک شہ کے کھڑا آن کر
سنو میں ہوں کہتا بیاں بے عدول — مبادا ادھر ہوے خاطر ملول

کہا شاہ سن خوب کی تم نے بات — ولیکن ہے تقدیر سو رب کے ہات
نجومی کو شہ نے کیا تب رضا — فکر دل میں کرتا رہا اِس وضا
کہ قسمت کا اپنے تو دیکھو مزا — ہوویگا وہی سچ کرے جو خدا
نجومی تو گھر کو گیا ہے چلا — جو کہنا و سُننا بُرا یا بھلا
ولیکن جو حق کو تھا کرنا ضرور — ہوئے بن نہ ٹلتا ہے، ہونا ضرور
وہ چھوڑے نہ ہرگز جو تیر قضا — وہ ہوتا ہے جس میں ہے حق کی رضا
ہوا اسکا شہ کے ہے دلمیں خیال — ہوا وسوسہ شہ کو از حد کمال

سلطان محمد قلی قطب شاہ

از کلیات - مرتبۂ سلطان محمد قطب شاہ

پلا ساقیا منج کوں مستانہ مے — کیا ہے بہوت گرم چنگ ہور نے
جکیچ عشق کوچے میں ہے سلطنت — نہیں دیکھیا ہے کدہیں اسکو کئے
سدا پھولین اودھند ہے منجے — نہیں ہے خماری کہیں ہور دے
سنپورن ہے تج جوت سوں سب جگت — نہیں خالی ہے نور ہے کوئی شے

گرجا ہو میگہ سر تھے تازہ ہوا ہے بستاں — پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار دستاں
اے خوش خبر صبا توں نے جا جوان قداں کن — چمناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستاں
او نونہال پھولاں ہے جام خوے سو بادہ — نرگس الس پلک سوں جھاڑو کرے شبستاں
مکھ نور پر دسے یوں مج خط عنبریں او — جو سور اوپر ہے بادل ریحاں سو گلستاں

بہوش میرے دل کوں میٹھے ادھر جلائے　　گلزار ہے عجب او دو لعل شکرستاں
مج عشق کے گدا کوں اد رنگ شاہی دنیا　　سب عاشقاں منج انکھے ہیں طفل جو دبستاں
روزی ہوا قطب شہ تج عشق کا پیالہ　　بھرلے ہیں ہر طرف تھیں جم شوق کو خمستاں

دکھ ایک ہے ہر ٹیک کد ہن لاکھ چمن ہے　　لکھ جوت ہے ہر بھاو ولے ٹیک رتن ہے
سمدر ہے یک ہور ندیاں ہیں سو ہزاراں　　باتاں سو کر ڈڈراں ہیں ولے ٹیک رسن ہے
کس ٹھار ہیں دستا نہیں سب ٹھار ہے بھرپور　　دیکھن کو سکت کاں اُسے ہر ٹیک نین ہے
منج عشق گری آگ کا یک چنگی ہے سورج　　اُس آگ کے شعلہ کا دھواں سات گگن ہے
اسکے سو پرت پنت ہیں چل ستیں سوں قطبا　　تج کون سو مددگار حسین ہور حسن ہے

راز نس کا تم ستیں کہنا ہوس　　تیری بات انکار کا سننا ہوس
تبے کچی کلیاں بھری باغاں منے　　رس کی کلیاں باغ تج چننا ہوس
بزم تیرا دستا ہے رنگیں بہشت　　یک دو باتاں پیالہ سوں کہنا ہوس
کوتلی ڈالی کون لگے پھل رنگ رنگ　　اُس پھلا سیتے طرہ گندنا ہوس
سب بہشتی حور اس باساں جیوس　　روح کوں اس باس ہے سنگنا ہوس

سو رمن پیالہ ہیں، ساقی شراب پور کر،　　ہو غم دیر سالہ کون، یکدو قدح سوں دور کر
میرے خیال کھیل پر ہنستے ہیں عاقلاں سدا　　جانو یہ جانو کھیل کچ کھیل پیا کے سُور کر
باد سحر کیتا کرے، بے ہودہ لے دوا دری　　یکدو خبر خوشی کے لیا۔ ہو دل و جاں سرور کر

آج شہ چین چلیا۔ شرق نگر تھے شتاب   ڈھال فلک کی اُچا، او شہ عالی جناب
باندھ خنجر کرن کی، زرّیں فرنگ ہات لے   صبح کے وقت آبیٹا۔ پیک ڈُبیالے شراب
چرھ کر فلک فیل مست، مستی سوں مکھ لال کر   گرم ہو چلنے لگیا۔ دن لے کتک بے حساب
ڈرے ہو فراش سب، چلیئے شہ چین آگے   دیتے سراچے شفق، لاٹے زرّیں نقاب
قوس و قزح ہات لے جوڑ کے تیر اسنوا   سو کشش جو کیا، نس کہ اُٹھانے عزاب
سو ہے غلط یوں نہیں، ہو قضیا یوں تو سُن   فتح و ظفر چند کا، چرخ دیا اُس جواب
شاہ ختن سن چلیا، عزب نگر تھے لے فوج   تنکے تناں ریں رنگ، جیسے اہے مُشک ناب
کش کہ چپیا ہات قوس، اُس سیتے آسمان کی   سور اتارن کوں تین۔ جوڑیا ستارے شہاب
اتنے میں دیتا ملا ہے، صلح خدا تن منیں   ہے تمیں نس دن کی شہ، نا لڑو تم اتنی تاب
ہیں کیا تم دو کوں شاہ، یک سرج ہو یک ماہ   دہرتی تمیں دو نو جاہ۔ دنوں کوں تم ہے کہ داب
دن کو سُرج نس کو چند، تد کھی کیا ہی دہاب   چاند کوں کنیا مجے، سور کوں کیتا ذہاب

مُلّا احمد

معاصر سلطان محمد قلی قطب شاہ

مثنوی لیلیٰ مجنوں

جو منج بخت کوں فتح یاد رہوا   سو منج بخت کو سیوک انبر ہوا
جو شہ آپ تھے آپ منج یاد کر   منجے غم کی بندگی تھے آزاد کر
دیتے امر علی کی یہ باغ لاوں   جو پالوں اسے شہ امریت ناوں

جو میں شہ کا امر سر پر لیتا   ترت باغ لانے شتابی کتیا
بہوت یک پریشانی روزگار   اگرچہ منجے ہے ملامت سو بار
بہوت یک شغلاں ستیں رات دن   نہ تھی منج فرصت بھلڑا ایک بن
ولے اس دھر شہ کے فرمان پر   لگیا تن سنگارن بہو قصہ دہر
دھریں عشق کی باس اس بن کے پھول   جو اس باس پر جوں بھنور جگ کوں بھول
سو کچ عشق کوں اب جگت میں جگاؤں   جو گھر گھر تے لیلیٰ و مجنوں اوچاؤں
جو لیلیٰ و مجنوں تھے بولوں پوران   سو تازہ کروں اب نو کا پوران
جو اس بن چمن پر تھے گزرے پون   پون باس تھے باس لے سرک بن
جو اس باغ پر شہ کا داغ ہے   سو باغوں میں یہ باغ شہ باغ ہے
دہنی باغ کا شہ اہیں باغ باں   بھنور باغ کا کیوں نہ ہوئے آسماں
جو اس باغ مہکار تھے جگ بھرے   سو سر مست کر قدسیاں کو دہرے
سو کچ شہ کوں یہ بن مبارک ہو   جو اس بن تھے ہر روز نوروز ہو
شہنشہ کے ارکان دولت جے کوئی   مبارک انوں پر بھی یہ باغ ہوئی
جو کوئی باغ کی باغبانی کرے   سو اس باغ تھے شادمانی کرے
دہنی باغ کا باغباں کو نواز   بہو مرحمت سوں کرے سرفراز
جو احمد کرے آس دہر بن سنگار   سو اب شہ تھے پائے ستیں سنگار

یہ نمونہ پروفیسر محمود شیرانی کے مضمون لیلیٰ مجنوں احمد دکنی سے ماخوذ ہے۔ جو اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا ہے۔

میران حسینی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ العاشقین تصنیف ۱۰۴۶ھ

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا — کہ قدرت سے اُسکے ہوئے دوسرا
کروں ناز اسی قدرت پاک پر — شرف دی سیہ خاک کوں سر بسر
بہت مہوشاں اُس نے پیدا کیا — خطاں دل پسند رنگ زیبا دیا
ہر یک صورت گل کو دی رنگ و بو — ہر ایک کوں دی اخلاق پاکیزہ خو
کیا ایک کون لالہ کے مانند موں — لیا داغ لالہ نے تب رشک سوں

وہ ہے شاہ جن و پری کا تمام — اسی کا ہے سلطان عبداللہ نام
سلیماں صفت شاہ بحر و بری — جہاں و ایما آ زیر انگشتری
وہ ہے شاہ شاہاں مبارک جناب — دل شرزہ ہو خوں فشاں مثل آب
وہ زیب جہاں ہی کہ جوں آفتاب — جہاں جسکے بخشش سوں ہی کامیاب

سنو حقیقت میری دردناک — کروں مہر سن تم سے با شرع پاک
میرا باپ تھا ایک بڑا نام دار — کہ اسباب دنیا سے تھا کامگار
جتے تک میرا باپ مجھ سر اُوپر — خوشی ساتھ گذری تمامی عمر

قوی تن بہت زور در تھا اونے — نہ تھا اُس کے مانند دنیا منے
بڑا تھا وزیر یک نزدیک شاہ — سپہ دار دارائے تخت و کلاہ
کہ ہر روز و شب تا پگاہی نشست — یہی کام تھا اس کوں پابوس تخت
کہ تھے سات فرزند ہم اسکے تئیں — کہ سب سوں زیادہ تھا دلبند ییں
کہ اس سن میں تھا ایک برادر میرا — دل و جاں بہت ناز پرور میرا
ولے سیر توں میں تھا نیکو سیر — طبیعت فرشتہ تھا صورت بشر
اُنے بھی گیا جام اجل نوش کر — یہ دُنیائے دوں کو فراموش کر
کہ سنگ فنا سات شیشے کو توڑ — چلا ست بہشتی دل عقبیٰ سوں جوڑ
تب اس درد و غم سوں قبولا سفر — وداع وطن کوں میں کیا ہر شہر
کہ گلشن میں دُنیا کے گذرے عمر — نہ پل کے جوں آب جاوے گذر
کہ سلطان محمد قلی شیر دل — کہ شاہاں سے لیتا ہے شمشیر دل
کہ داد و دہش میں تھا او بے نظیر — نہیں اسکے ثانی ہوا کوئی پھیر
کہ بخشش میں ہے جوں سحاب کرم — کہ باراں سا سائل پہ جھٹکیا درم
اُسے کچھ عمارات سے لاگ تھا — سونا روپا اسکے انگو خاک تھا
ہر ایک ہفتہ میں کئی عمارات زر — توڑا دی بندھا دی عمارت دگر
ہزاراں سے لاکھ دگر صد ہزار — کرے خرچ ایسا ہے وہ نامدار
حکم پا کو اُس شہ کا معماراں — بندے کاخ یک کوہ الوند نشاں
کہ دوراں عجب دور لایا وہاں — ہوئے تب وہ بیمار شاہ جہاں
نہ قوت رہا بیٹھ اُٹھنے کا اُس — نہ ہرگز قدم پیش رکھنے کا اُس

نہ ہلنے کا قوت نہ چلنا اُسے | سدا اس الم بیچ گھلنا اُسے
کہاتب بلا سات فرزند کوں | کہ اب محل میں چل منجے لیکے توں
زمیں بوس کر عجز و الحاح کیساتھ | گیا وہ لے شاہ ساتھ شہ اسکے ساتھ
دیویں حکم گر شاہ یکتا منجھے | چلوں لے یہاں سوں بخارا تجھے
یہ سن ہنس کے شہ بات اس ساتھ یوں | لگا کہنے فرزند دل بند یوں
زمیں آسماں کوں ہے جبتک قرار | پھرے چرخ تا حشر لیل و نہار
ترے دل کے گلشن کو پروردگار | سحاب کرم ستوں رکھے پر بہار
کہ او محل نو جو ہویا تھا تیار | کہ خوبی میں جوں قصر فغفور سار
بس القصہ شہ کو لیجا گھر منے | کہ کرسی زر پر بیٹھا پُل کنے
کہ جب محل نویں گیا بادشاہ | زر و مال باٹا قبا وُ کلاہ
کہ مشہور تھا وہ اُوپر خاص و عام | کہ مالک وہی ہے پچھانے کلام

تحفۃ العاشقین کا مخطوطہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اور اسی سے یہ نمونہ کلام نقل کیا گیا ہے۔

مُلّا قطبی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ النصائح تصنیف سنہ ۱۰۴۵ھ

باب سی و پنجم

جس وقت توں چنداں توں | دیکھے جو توں اپنی نظر

بسم اللہ سوں پڑھ بتیس بار — الحمد توں ناغہ نہ کر
تاریخ پہلی کوں پڑے ۲ اِنَّا فتحنا یاد سوں
نا آئے بلا تج پاس کد — ہور پائے جنت ہر کدہر
دیکھے محرم کوں سُنیا (سونا ۱۲) ۳ ہور دیکھ صفر میں آرسی
اوّل ربیع آبِ رواں — آخر کوں بکرا لیا نظر
اوّل جمادی ہے روپا ۴ ہور ہے بڑھا آخر منے
مصحف رجب کوں دیکھنا — شعبان ہریا گھانس تر
رمضان کوں شمشیر دیکھ ۵ شوال کو کپڑا ہریا
ذی القعدہ کو بیٹا نھنا — ذوالحجہ کو بیٹی خوب تر

باب چہل و دویم

جنت سنجیاں کا ٹھاوں ہے ۱ اُس وقت تو پاوے محب
تس کے بدل کا ماں کرے — ہر دیس یک یک خوب تر
ہیں بہشت کے کاماں بہت ۲ جد ہور گفت کچھ نین اَہے
اُس سب منے نے کون تجے — گن سات اگلے بلیس پر
ہور جو تلک جیتا رہے ۳ اخلاص ہور دل بھاؤ سوں
ہور جو تلک جیتا رہے — ثابت رہنا تس کے اُوپر
مہمان کون بے پیار کر ۴ ہور کافران سو کر غزا
جوں بھید اپنا کوئی تجے — بولے تو نا کہ کس اُوپر

زحمت جو آوے تج اوپر ۵ کس آدمی سوں کہہ نکو
سارے تیرے دکھ درد سوں راکھے چھپا دل کے بھیتر
دل جیو کے سینہ کے بھیتر ۶ مسکیں درویشاں کو رکھ
تج سوں بُرائی جو کرے تس ساتھ تو احسان کر

کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ کے نسخے سے یہ نمونہ انتخاب ہوا ہے۔

غواصی

از طوطی نامہ تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ

شب پنجم

کہتے ہیں جو یک ٹھار تھے چار یار — یک اس میں بڑائی ایک اہمیں سُنار
بگن درزی ایکن سو زاہد گنبھیر — اتھے چاروں میں چار فن بے نظیر
سو پردیس جا گشت کرنے لگے — جہاں دل منگے واں اُترنے لگے
سو یک دن ہوا یوں جو وہ چار یار — پڑے ایک جنگل میں جا ایک ٹھار
جو پھر نا سکے باڈ واں ترس تے — اُجڑ ہو پڑیا تھا وہ کئی برس تے
جناور کی دستی نہ تھی ذات واں — کہ دہشت تے ہلنا نہ تھا پات واں
ڈوبیا دن سو دیں واں اندھارا ہوا — یکا یک دین آشکارا ہوا
بچا سک اُسی ٹھار پر اور ہے — سو کر فکر آپس میں اپی یوں کہے
کہ یوں ٹھار تو ہے ارک ہولناک — جو سوں گے تمیں یاں تو ہوں گے ہلاک

بھلا دیں جو نوبت سو بیٹھیں ہشیار | لیویں بانٹ چار و بھی چار و پہار
کریں پاسبانی سو ایکس کی ایک | ٹھیا ہو دیگی تو بڑاں لیویں دیک

صبح ۱۲

سو کر شرط یوں جاگنے کی بدل | اٹھا آپ سب تے بڑائی اول
نہ نیند آئی تیوں فکر کر ذات میں | لیا کار تیشہ اپن ہات میں
دیکھانے بدل اپنی صنعت گری | یکے مغز کی ڈال کاٹ یک ہری
کیا اس پتلی سو اس دہات تے | مگر آئی تھی اور سما دات تے
اگر آذر اس وقت پر ہووتا | تو دیکھ بت تراشی تے دل دھووتا
رہتا دل یو مانی کے بھی داغ ہو | بھلا جو نہ تھا اس زمانے میں او
یکت وہ بڑائی ہنرمند خاص | جو پھرا کرا اپنا ہوا جیوں خلاص

اٹھا دیں سنار اس پچھے دوسری بار | لگیا دیکھنے کون جو انکھیاں پسار
سو خوش شکل پتلی نظر تل پڑی | سنا کار ڈب میں نے دیا اس گھڑی
گھڑیا ہیں نازک بستیاں عجب | سو چھوڑا اسی ڈوب سینے میں سب
چڑیا حسن پر حسن لڑتے اسے | لیا نور گھیرا کدھر تے اسے
جو تھی خوب اول سو ہوئی خوب تر | ہوئی جا او محبوب محبوب تر

ہوا دا بلا کام تے جوں سنار | اٹھیا درزی پھر کا کرن تسری بار
دکھا ناگہاں جوں او صورت اسے | نہ تھی کسوت اوسکوں سو ایسی منے

رنگیں کپڑے بنچے میں تے کاڑ کر — سو تقطیع کی شجع سوں پھاڑ کر
کیا مستعد کسوت بے نظیر — سنوارا نزاکت سوں اس کا شریر
سو کسوت میں او نار دسنے لگی — خوش عاروس کی سار دسنے لگی

ہوا جو کنارے وہ درزی سنوار — سو زاہد اُٹھیا آپ چوتھی پہار
وضو کر کو بندگی میں اد مشغول ہو — یکا یک دیکھا پتلی مقبول او
سو ریحہ اس اد پر دیں دُعا جو کیا — وہیں جیو پرورد گار اُس دیا
سو موں آدمی کی نمن کھول کر — اُٹھی چلبلا ناگہاں بول کر

صبا ہوئی سو چاروں ملے ایک ٹھار — ہوے عاشق اس روپ کے ہر چہار
لگیا آ کے چاروں کو دادا کبل — سو ایسی منے وہ بڑائی اد ل
کہیا اے عزیزان خوش روزگار — اگر دیکھتے ہیں تمھیں حق بچار
تو یو صورت اول تراشا سو میں — یو میری ہے دلسوں نہیں کسکے بتیں
سُن اے بات سُنار موں کر کے لال — کہیا یوں کہ اول یو صورت تھی کھال
زرینا پنھا اس دیا روپ میں — دیکھا دیا سو کرا سکوں اپر وپ میں
چڑھی جو میری بست اول اسکے تن — یو میری ہے دیکھو نہ کو اُس کدہن
سُن یہ بات درزی اُٹھا کود کر — لگیا بولنے یوں غصہ سوں اگر
کر بنیا دمیں تھی اول یو ننگی — شرم ڈھانپ کر میں کیا اس چنگی
یو عاروس میری ہے چھینے اُسے — انداز انہیں منجہ بغیر از کسے

تعجب میں ہو نا ہد اس بات پر — اُٹھیا بول تندی سوں اس بات کر
اگر جیو تن میں نہ آتا اسے — نہ آز کے کوں نا کام آتی کے
تمیں گرچہ تینوں کے تے تین کام — ولے جیو ڈالا سو میں ہوں تمام
یو میری ہے یاراں تمہاری نہیں — چلو جاویں مل منصفی کوں کہیں
کہیں جبن وضا مل بیگانے چہار — چلیں اُس وضا زیا سگی دم نہ مار
ہو اس دہات راضی سنگات اسکوں لے — نکل اس جنگل میں تے لڑتے چلے

سو ناگاہ یک شاہ مارگ منے — ہوا جان یک لشکری سامنے
سو چاروں نہ رکھ سک خیال آپنا — گئے بھول اُس دھیر حال آپنا
جو خاطر منے خوب لایا تمام — وہ عیار ہایا سو پایا تمام
دیکھا تل اُدپر خوب اُس نار کوں — دیوانہ ہو گھیریا دیں اُس چار کوں
کہیا یو سہیلی تو میری دے — لیکر آئے ہیں ہم دغا دے لُے
تمہاری ہوں میں اختیاری پو گم — عجب کوئی اوباش ہیں آج تم
میری دے کو عورت سلامت سوں جاؤ — اگر نیں تو کتوال کن جائیں آؤ
ہو دہ ہم الپس میں ابین پانچوتن — بدل نیا دکی آئے کتوال کن

وہ کتوال اول تے تھا عشق باز — دیکھ اُس نار کا روپ ہور چھند ناز
منڈا سا پھرایا پانچوں پر باندوین — سولی پر مرے گا اُٹھا ساندیں
کہ ہے بھائی میرے کی عورت یو نار — سو چور آشیا شب اُسے جی سے مار

گئے لے اُسے بست ہو بھاؤ سوں — بڑا فکر تھا آج رنگ منج کو یوں
وہ چوران سو تم ہیں خدا ناگہاں — لے کر آئیا کھینچ ہمتا یہاں
ڈرا اس وضا خوب پانچو کے بیچ — جو قاضی کن آیا یے دنبال ویں
دغا باز سب تے وہ قاضی اتھا — سدا ایسے کاماں سوں راضی اتھا
سو دیکھ اُس پری رُخ کو ہو اُٹھ کھڑا — ہوا دادیدار آپ سب تے بڑا
کہا یو تو باندی ہے جیوتی میری — وفادار گھر کی سلونی میری
لے طبلی کئی برس تے گئی تھی نہاس — پھر آپی ہو آئی ہے کر گھر کی آس
ملی میری باندی تو ہر حال منج — ولے کان ہے لا دیو دو مال منج

جو اس دہات کا شور ادچائے تمام — ملے اس تماشے کوں سب خاص و عام
سو ایسے میں کوئی شخص عارف نول — کہا یو خصومت تو ہے بے بدل
کہ ہر کوئی جھگڑے تو عالم منے — نر نان کہ جاتے ہیں قاضی کنے
آپی مدعی جان تے قاضی ہووے — کہو کیوں نہ انصاف ماضی ہووے
کہ ساتوں جنے ہیں غرض مند یو — کہ دھرتے ہیں الکیس سوں ایکٹی نڈیو
سکت کان ہے کس آدمی زاد کوں — جو اپڑے اِنوں کی ترمت داد کوں
فلانے جو صحرا میں ہے ایک جھاڑ — جو عالم کے جھاڑاں میں سب سیں کاڑ
عجب کچ کرامت ہے آج اس کنے — ہے افضل دلی کار واج اُس منے
جو کوئی جس نیت سوں نزدیک اسکے جائے — تو ویساچ آواز اس دک تے آئے
اگر مل کے ساتوں وہاں جائیں گے — تو فارغ ہو اس جھنجھ تے آویں گے

سنے جوں دو اُس جھاڑ کے ناؤں کوں
چلے اُس سکی کو لے اُس ٹھاؤں کوں

کھڑا کر اُسے جھاڑ کے پیڑ کن
کہے حال جوں موں کہ اُسکے کدہن

سو قدرت تے یک بارگی جھاڑ او
لیا کھینچ اُس دہن کو دو پھاڑ ہو

برابر ہوا دیں پھرا دل کے سار
ہوا حق جو کچھ تھا سو واں آشکار

دولت

از داستان بہرام و حسن بانو تصنیف سنہ ۱۰۵۰ھ

سنا قلزات ایسا وہاں
کہ آتا شاہ پریاں ہے لڑنے یہاں

خبر سن ہنسا گڑگڑا کر پلید
کیا تب اُنے یک فکر ہے شدید

وہ جلدی سے بولا ہے لشکر کو یوں
شہر سبز ویران کر و چل ہیں توں

یہ کہہ کر کیا کوچ جلدی سنگات
کہا شہ پری کو کوئی آکے بات

کہ قلزات آتا ہے تیرے اُوپر
وہ لاتا ہے لشکر بڑا تجھ اوپر

خبردار ہو تم خبردار ہو
لڑائی کے ساماں سے تیار ہو

سنی بات بہرام نے بھی سبھی
خبر دیو سردار سے یہ کہی

کہ آتا ہے بدبخت مرتد یہاں
کرو فکر تم بھی اُٹھو اس زماں

ہنسا دیو ردیاں سُن کر یہ بات
کہا کچھ فکر کر نہ تو نیک ذات

کئے مو چپے بند ہر کھار کھار
سرانجام جوگ کا دے کر کر تیار

خبر جا کیا شاہ بہرام گور — کیا تب گندا ول کے لشکر تے زور
فتح کا دمامہ اُٹھا ٹھوک کر — وہ سب فوج لے کر پڑا اُس اوپر
لگی جنگ اس پر ہے شدت سنگان — نہ پائی کسی نے فراری کی باٹ
چھوٹے توپ خانے بہت بیشمار — اُٹھا غل جدھر کا اُدھر مار مار
دلاور جو بہرام کے ہیں چھوٹے — فرنگ کیں جو تلواریں لیکر ٹوٹے
کیا ملک زلزال کا پائمال — کیا پکڑ اس کو ہے قیدی بجال
پو شیراں ہیں بہرام کے شیر دل — وہ زلزال کو ہے کیا مضمحل
فتح آسمانی ہے حق نے دیا — وہی شہ کو نصرت ہے غیبی کیا
بجے شادیانے خوشی کے تمام — خوشیوں کے نقارے کئے دھوم دھام
فتح کر کے بیٹھا وہ بہرام شاہ — دیا شاہ پریاں کو رکھ دلمیں چاہ

نصرتی

از گلشن عشق تصنیف سنہ ۱۰۶۸ھ

ازل تے جو مج عشق کی سوز ہے — ابد لگ اوک شعلہ زن روز ہے
ہوا ہے میرے طبع کا سب چمن — پرت کی کلاں داٹ کر کھولین
اگو جل بھری مج نین ہے بدل — میرا ہر انجھو ہے سورج تے نچل
دکھادیں جو مج آہ اس بھید کوں — معمہ کرے جام خورشید کوں ۱۱

جو ہر بات کا مج بلند اوج ہے — وہ سب عشق کے بحر کا موج ہے
دیویں ہر ورق کا جے خط سواد — سو جلتے جنگل کا دھواں کر زیاد
دیکھت خوبی عشق میں صادقی — سو کرتا ہوں میں عشق پو عاشقی
نہ ہوشیار ہوویں کدہیں مست عشق — جنم مست موکل بہریں ہست عشق
مئے صاف کا عشق ساقی ہے یار — سٹھار دہو دل تے غم کا غبار
اچھے عشق خلقت کی جگ کا سبب — اچھے عشق گنجینۂ راز رب
بقا کیا جسے جگ میں شاہی اچھے — اجل جسکے گھر کا سپاہی اچھے
بلند تر ہے افلاک تے جس نشاں — زمیں کا لے تس چتر ہے سایباں
نظر مہر کی لیائے جب رنگ میں — کریں لال تب سینہ آہنگ میں
دِلاں کا ہے اے عشق تو بادشاہ — جہاں ڈر سوہا نچ تجہ تخت گاہ
دیوا راہ کا تجہ سو کالا دِسے — اندھا راج تیراج اوجالا دسے
کیا سو خوشی جگ میں مشہور توچ — خرابات عالم کیا پور توچ
تیرا خار بہتر ہے گلزار تھے — تیرا ڈر ہے دیوانہ ہشیار تھے
توں دانا ہے کیں نا سمج باؤلا — چلے کس نظر جہاں تیرا پاولا
سنگاتی دو جگ میں اچھنار توچ — جنم جگ کا یار وفادار توچ
تیرے ہات سوں خاک ہوتی ہے ور — پرس توں ہے اکسیر اعظم تھے ور
جو کوئی شمع کا تج جو پروانہ ہوئے — اُسے سات دوزخ میں پروانہ ہوئے
تیرے سحر کا پھندہے دیو بند — دھرے بند رستم پو تیرا کمند
ریا کا نہ آوے رتی نی تجے — برابر دسے دوست دشمن تجے

نہ کام آئے تج صفت منے دوڑیا   برابر ہے زربفت ہور بوریا
تیرے بجر میں عقل کوں انت نین   تیرے بر اوپر لاج کو بنت نین
کرے تو تج بت خانہ دل کے نین   بناتا ہے عابد کون توں برہمن
دھرے یک نظر میں تو لاکھاں فریب   کرشمے سو توڑیں کڑوڑاں شکیب
رکھن ہار تج نادن سارا ہوں میں   سراسر تیرا مجلس آرا ہوں میں
مگر دل تیرا چھاجو ٹک یک رتی   توں کہہ پیار سوں آفریں نصرتی

جوانی سوں تھی دھوپ بھر رُت میں   بُرج تھا مگر آخری حوت میں
نہ کہہ سور بل آگ کا بادل اتھا   نہ او دھوپ یک آتشیں جل اتھا
کرن ہیں سو ادجل کیاں دھاران دسیں   ہر یک ذرہ قطرات باران دسیں
لگی مارتے جب سرابان کی موج   چلیں چو کدہن تب حرارت کی فوج
بھری یوں حرارت ہر یک تن منجھا   نہ ست بے سما سک اُبل آئے بہا
پڑی تھی نہ کیں چھاؤں ہر تن تے ڈہل   او نکلے سو ست بے بہتی تھے اگل
نہ بہیں پر تپش دن کوں دایم اُتھی   قیامت فلک پر بھی قائم اُتھی
برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک   سو کوہ ہور زمیں ہی تھے چھاتی تڑک
نکس تس تے جا سب ہریالی کے بال   اتھا بھوئیں کے سر جیوں گنجائیں کا حال
پڑیا تھا نہ دریا میں موجاں سوں شور   اتھا نیر اُبلتا ہو بھوئیں گرم زور
کری جگ میں گرمی نے یوں سرکشی   ادگی کونپلی رُکھ کے ہوا آتشی
دیکھت کوہ ہولی نرالی ہوئی   زمیں دیکھ حیران دیوالی ہوئی

بھرے لال کھوڑے دس آتے تھے یوں
چولیاں میں اگن ڈہک ڈہکاتی ہے جیوں

دکھا دھوپ اوک جگت گرمی سوں تاپ
لجاتی اتھی بھوئیں کے سب دیکھتے آب

یقیں آفتاب آفت آب تھا
تو ہر چاہ پر آتش ناب تھا

دہیا کیں نہیں دسے گیتی پو آب
مگر تھی ندیاں سے ہوا پر سراب

چرندے اوک پیاس تے تس پو تٹک
چھوتیں دوڑ مرتے اتھے سینہ پھٹ

عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک
کرے سنگ کا چونا، دھماتی کو راک

اُتھے گرم کنکرے انگاریاں تے تیز
دسے تفت بالو تے چنگیاں کی ریز

پڑے جب ہرے رکھ پہ یو آب و نار
چلیں پات ڈالیاں تے چیک آنجھار

جسے آگے لگتی تھی جھالاں کی آنچ
اتھا سخت جانا ادنے جیونے بانچ

نہ سکتے تھے ہرگز پرندے پھٹک
چرندے بھی تس ڈہک سوں رہے تھے اٹک

پنکھیاں کے تو بھیجے پکے جوش سوں
پڑیں جل کے پر کر او ڑیں ہوش ہوں

چرندے بھی صحرا میں کرتے کدن
سو پک گوشت ہوتے تھے یخنی نمن

نظارے میں ہر یک نظر باز کوں
دسے ہر طرف تیری قدرت کا جوں

سبوں کا سمجھ تھک رہا ہے یہاں
کہ یک بر برے میں بسایا جہاں

نہ سنگھار سوں ادے دل فریب
کہ پکڑیا ہو سنگھار تل اس سوں زیب

چندر گل تھے چندر کی چھاتی پو داغ
گل سور تھے سور کا زرد باغ

زہے فیض سوں حق کے اکرام تھا
کہ میواں سوں بن سفرۂ عام تھا

نین بان لاگی ہے کاری منجے | لگے چٹ پٹی رات ساری منجے
تیرے لب بغیر از جو چاکھوں شکر | لگے جیو تلک کرد کاری منجے
بھولیا ہوں جو ہیں کفر اسلام کوں | یہی بس جو لاگی ہے یاری منجے
تیرا فضل ہوئے گا گر اے سکی | قوی ہے سو اُمیدواری منجے
پیاری ادک پیار ہور لطف سوں | آدہ نصرتی کر پکاری منجے

ابن نشاطی

از مثنوی پھول بن تصنیف سنہ ۱۰۷۶ھ

کروں تعریف میں اس تاجور کا | سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی | خدا تے ہے تیرے جم بیش بازی
سعادت کے نین کا نور ہے توں | شجاعت کے لگن کا سور ہے توں
اچھے جمشید کا سب داب تجھ میں | سکندر کا اچھے آداب تجھ میں
عدالت آج تیرا اے شہانی | کیا ہے دشمناں کے لہو پانی
دیکھے توں پھول ہور کانٹا ہے یک ٹھار | وے کتے نہ کوئی پایا ہے آزار

دیکھت تجھ شیر کی شیر وانی | کریں بکریاں کے تئیں گرگان شبانی
عدالت کی تیرے دیکھو آج ہستی | چھپی خوباں کے جا نیناں میں مستی
کیا یوں رہزناں سوں پاک دکھن | نہیں ہے آج مطرب باج رہزن

کیا توں عدل ایسا آج جگ پر
پھر کے سنگ سوں شیشے کوں نین ڈر

شجاعت کا دیکھت تج مکہ پو پانی
ستے سب پہلواناں پہلوانی

سُہاتی ہے تجے مسند نشینی
فلاطوں کی ہے تجہ میں دوربینی

مسلسل وصف کے تج سلسلے کوں
ہلاتے نین سکت مج حوصلے کوں

اگر کاغذ گگن کا ہووے ڈھورا
صفت تیری نکوسے تو بھی پورا

مجے یک دن دیا یوں ہاتف آواز
پرت کے داستاں کی اے سخن ساز

سخن کا آج توں ہو کر کھن سنج
بچن کا کھولتا نین کیا سبب گنج

تیری گفتار سوں عالم مٹھا کر
دے تیرے شعر کا سب کس کوں شکر

خوشی سوں آ خوشی کی بات پر آج
تو کاناں کوں جگت کے عید کر آج

سخن کا طرز تج آتا ہے تازہ
سخن کا سٹ توں عالم میں آوازہ

سخن کوں توں سنگارن جانتا ہے
سخن کوں تیرے ہر کوئی مانتا ہے

خدا تجکوں دیا ہے گیان عالی
سخن کی تج کوں بخشیا لااُبالی

تجے معلوم ہے سارے صنائع
نکو اوقات اپنا کر تو ضائع

اوچا اب خوب یک تازہ حکایت
اچھیں گے عشق کی جس میں روایت

بساتیں جو حکایت فارسی ہے
محبت دیکھنے کی آرسی ہے

تجے ہے فارسی میں دسترس آج
نکرسے ترجمہ بھی کوئی تج باج

اسے ہر کس کے تیں سمجھا کہ توں بول
دکن کی بات سوں سارا بیاں کھول

سراسر جنٹو کو یو باتاں کیا گوش
سو ماریا شوق کا دریا دہیں جوش

لگا کر طبع کی موتیاں سوں ڈورا
بچن کا جگ منے ماریا ڈھنڈورا

طبیعت ہیں اپس کی دیکھو صافی
کیا ہر بیت ہیں ہیں موشگافی

پرت کے باغ کی لی باغ بانی
بساتیں کی کیا ہیں ترجمانی

صفا اور اس کے دیکھ ہر یک چمن ہیں
دکھیا ہوں تانوں اس کا پھولبن ہیں

اٹھا تاریخ لایا توں یو گلزار
اگیارہ سو کون کم تھے بیس پر چار

خدا کے پاس منگ ہمت بلندی
نزاکت سوں کیا ہیں نقش بندی

سمج ہر کس کوں میرا طبع ہونا
مگر ہیں یک دکھایا ہوں نمونا

نہیں وہ کیا کروں فیروز اُستاد
کہ دیتا شاعری کا کچھ میرے داد

رہے صد حیف جو نیں سید محمود
کٹے پانی کوں پانی دود کوں دود

نہیں اس وقت پر وہ شیخ احمد
سخن کا دیکھتے باندیا سو ہیں سد

حسن شوقی اگر ہوتا جو فی الحال
ہزاراں بھیجتا رحمت منج اُپر ال

اُہے تازہ چمن پیوستہ میرا
شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا

دیا ہوں جگ کوں رونق اک طرف سے
ہے یو بازار جو دو رستہ میرا

بہت خون جگر کھا کر کھلیا گل
کلی نمنے جو تھا فن بستہ میرا

کرم سوں حق کے پایا آج راحت
فلک سوں تھا جو خاطر خستہ میرا

شیخ امین الدین اعلیٰ

(از رسالہ قربیہ)

اللہ بن منیں دوجا کوئی
اللہ سوں دیک سب کچھ ہوئی

سب سیں بن، سب ہے دیک پاس
مطلق بینا شاہد خاص

شاہد ہے دیک مطلق پر
مطلق منزہ بالا تر

مطلق منزہ محیط پیو
سب کا جاری جس تیں جیو

جیو جوالا سب کا حیان
سب سیں بن سب عین عیان

عین ارادہ جس کے ہات
جیو جوالا سب سنگات

جلال جمال دو اُسکے تھل
مطلق منزہ بے مثل

مطلق سب پر شاہد ہے
سب سیں حل دیک واحد ہے

پڑ کو ہارا مشکل بات
بن کر ایک نہ آئے ہات

ٹھاوں نہیں جس لامکان
سمجھے نا یوں اسکوں ٹھان

عین خلاصہ عیاں تمام
عیاں بیاں سوں ہونا قام

مطلق منزہ تھا کیوں آڈ
سمجھا پوری یو بنیاد

احد تجہ میں کیوں آیا
بوجھیا پوری یو مایا

احد جب او مطلق تھا
بن اُس مطلق کچھ نہ تھا

عشق کا دیک کیوں آیا پور
ہلیا ذات بن کیوں نور

ہلن ہیں ہے بوج پر کار
جھولے یک لک چوبیس ہزار
قدرت اپنی اپنے بل
شریک نا ہوئی کوئی مثل
گنج مخفی پیو کا ٹھار
دل میں پیو کا دیک دیدار
جیو میں پیو کا دیک ٹھاؤں
دو توں کا ہے ایکچ ناٹوں

دیکھ تیرے نیں میں پتلی کوں
عالماں ہیں پڑی ہے جنگ و جدل
ٹیک کہتے ہیں مکھ یو کعبہ ہے
اس میں پتلی کا کیوں کیا ہے محل
اور ہیں اس اوپر کی مسجد میں
کتنے ڈالیا ہے طرح رنگ دیول
آخرش اتفاق سوں بولے
یو ہے صانع خدائے عز و جل

فائز

از قصہ رضواں شاہ تصنیف سنہ ۱۰۹۴ھ

جتے ہیں حکایات کے راویاں
یو قصہ انو یوں کئے ہیں بیاں
کہ تھا چین میں ایک بڑا بادشاہ
دو رائی پھری اس کی یکساں براہ
اس اطراف میں تھا جسے تخت و تاج
اطاعت کریں ملک دیویں خراج
ولایت ملک کچ نہ تھا اسکوں کم
کسی کے طرف تے نہ تھا اسکوں غم
ولے یوں کہے مج کوں آنند نئیں
کہ منج نسل میں ایک فرزند نئیں
جو منج بعد اچھے وارث تخت او
جہاں میں نکالے بڑے بخت او

میرا تخت اس سوں کہ پاوے نظام — کرے مج کوں عالم منے نیک نام
اُسے سلطنت تاج داری اچھے — دنیا میں میری یادگاری اچھے
خدا پاس دن رات مانگے نسل — کرے خیر خیرات اُس کے بدل
عبادت اطاعت کرے بے قیاس — کہے یوں کہ یارب نکر توں ہراس
عطا کر مجھے ایک فرزند توں — بخت ور قابل خردمند توں
کہ منج پیں کو نور اچھے اُسکو دیک — بدی اُس سٹیں چونہیر میرا نام نیک
یہی آرزو دل میں دھرتا اچھے — خدا سوں مناجات کرتا اچھے
کیا عاجزی جب او حد تے زیاد — کیا حق نے لے دن کو اس بامراد
بہوت شکر کر لے کمندری کیا — اوک حال او عاجزان کوں دیا
وزیراں کو تشریف دیکر خوش حال — دے انعام لشکر کوں کیتا نہال
او خشنود اپنا ہے کر جان شاہ — رکھیا اُس کرانا نوں رضوان شاہ

ہاشمی

معاصر سلطان علی عادل شاہ ثانی

از یوسف زلیخا تصنیف سنہ ۱۰۹۹ھ

بچھڑ کاندکی اور ہے جس کا یار — اچھے کیوں نہ وہ غم زدہ خوار زار
رہے یک نگر میں جو معشوق پیانک — وطن پر اچھے اسکے عاشق کی آنک
زلیخا ہر یک دن بدی خانہ جائے — نظر بھر کر یوسف کے تیں دیک آئے

دیکھو کیا فلک سے ادیکیا کبل   بچاری کے جانے کون کیتا خلل
یہی غلغلہ ہو رہیا ٹھار ٹھار   زلیخا ہر ایک رات جاتی ہے بہار
نوی نین، قدیم عورتاں کی ہے چال   پھریں کوئی راناں کہ بولیں چھنال
چھپاتیاں نہیں، عیب کھولتیاں   بکس کی ان کی لیک یوں بولتیاں
تماشے کی عاشق جنم سے وہ نار   اوڑھی سر پو چادر چلی گھر کے بھار
بڑی ایسی دی سے چنچل ہور چھٹور   نے ڈر ہے وہ عورت جنم کی ڈھنڈور
ایسے کیں کے ہر کوئی نہ ہے جواں   بڑی ہو کو ان کھوئی گی اپنا ماں
جیویں مار دائی کون ستنا اول   نراں ستنا بیشک کے ترٹڑی جگل
مرد ایسی بیٹی شرم جہاں سے جائے   جیتیاں ایساں کیا لاج جو کل کھجی آئے
نی ڈر لاج سڈی بھری سرکوں کھول   قبیلے کوں سب اپنے لاتی ہے بول
چلن تر تو اس کے سیچ نین کسے   اول دیویں صحنک بی بی کی اسے
چنچل ایسی ہے کر کو کیا جانتیاں   بی بیاں میں بی بی کر کو سب مانتیاں
بی بی بن کا دیکھے تو ہے موں پو آب   دلے چال چلتی اجر کی خراب
بڑے کام کا کرنا کیا کر گماں   دلے پھرنے کا ینیں ہے بی بیاں کل شان
مولی بے خبر کیا ہے سب پردہ دار   خبر ئیں بی بی جا کو آتے سو بھار
بری ہے بلا یو نہیں کچ ہنی،   جہاں سب سنیا ہور اس کا دہنی
بچھانے کی عورت چوراناں کو جائے   ہوا مرد داناں تلے جیب لیائے
ہوا ہے یو کیسا زمانے کوں پھیر   دیکھو مرد عورت کے آنگو ہے زیر
قبیلی اُنے ستنا جیو مار کے   ہوئی بات یوں موں ہیں ہر نار کے

بندی خانے کوں روز جاتی تگر — زلیخا کی انپری عزیز کوں خبر
کیا بنک کوں تاکید یوں بے شمار — نہ ہر گز نکلنے کوں دیو کس کوں بھار
زلیخا سنی جب یو تاکید ہوئی — لیتی مار سینے میں کی یونک دی
سہیلیاں کوں کی ماں کی کیا بد کروں — مری ہاتھ مرنا نہیں جو مروں
مرے دلمیں تھا یو نچ کیا میں چھپاؤں — ٹکے دیس کوں رات ہوئے جو جاؤں
اگر اتنا پاتی نہ ادہار میں — اسی ہست سوں لیتی اپیں مار میں
اسے دیکھنے میں پڑی منج کوں کل — تجا توں کیا کیا کتے یو خلل
جیوں مار سٹتے تو خون کرتی معاف — نہ کرنا تھا جانے کا لیکن خلاف
خلل کرنے ہاریاں کا ہو گھر خراب — جو منج بے گنہ کوں دیے یوں عذاب
اگر مرد کوئی بچھڑا یو بھائی — تو اڈڑا تا کر ڑاتا وہ مر کو جائے
اگر کوئی عورت دئی ہے یو دکھ — نہ دیکھے دہنی ہوئی وہ بختوں کا سکھ
بیٹھو رانڈ کی بیتھری ہو کر وہ خوار — فضیتی جنے یوں کیا تھار تھار
میرا غم یو کیوں جائے کا اسکے باج — رہیا جانا میرا کروں کیا علاج
ہر یک رات یوں بول کر جڑ بھری — صبح ہوئی تو جا کر چھجے پر چڑی
بندی خانہ یوسف کوں ڈالے تھے جان — دیدی اپنی جو تو لگائی تھی واں،
ہوئی رات تو واں دیوا ایک جلائی — او جلا دہی دیکھ کر جیو بھلائی
دیکھی لاکھ تو نادِ سے دل کا یار، — ولے اس کے رہنے کا دستا تھا ٹھار
منت کر کے پڑتی ہوں میں تیرے پاؤں — بہر حال یوسف کے تیں دیکھ آؤں
کسی شے سوں یوسف کوں کچھ نئیں تھا کام — خدا سوں پکڑ ان کا تھا صبح و شام

بندی خانہ سوں دائی جو پھر یو آئی — زلیخا انگے ہوا سے جا کو لیائی
بلایاں لیویں ہور پڑی اُسکے پانوں — کہی پانوں یو گئے تھے یوسف کے ٹھانوں
بلا اس کے باتاں کی لیوے تمام — کیتے ہیں وہ یوسف کوں جا کر سلام
بلا اس کے موں کی وہ لیوے سندر — جو یوسف سوں باتاں کئے تھے نگر
بلا اس کے انکھیاں کی لے بےحساب — جو یوسف کوں دیکھیا نگر بے حجاب
سمج اسکوں بی بی اپی ہو کر اداس — ادب سوں پوچھی بیٹھ کر اسکے پاس
منجے بول یوسف کا کیا حال ہے — اپتا کی روش ہور کیا چال ہے
کہ یا غم میں ہے یا کہ آرام میں — کہو کھول کر ہے وہ کس کام میں
منجے کچ بھی بولو نگر ہیچ کیا — کیا بات تیری سوں یا چُپ رہا
اُٹھی بول کر وہ جو یوسف کا دل — ایدھر نہیں خدا سوں لگیا اپنے مل
زلیخا سنی سو رہی ہو اُداس — پچھے پر چڑھی جا نپٹ ہوئی اداس
دوکھوں سوں سٹی پھاڑ سب تن کے چیر — بھری لوں اپنے کلیجے کوں چیر
پچھڑ یک نگر میں رہی من ہرن — رنجیدہ تو ہوئے کیوں عاشق کا من
جسے عشق کے دل کا انگنا ہوا — ارسطو کی اس پر چلے کیا دوا
اپتا ہاشمی غم کے دفتر کوں پھاڑ — بندی خانے تے یعنی یوسف کوں کاڑ
زلیخا کا گھر کے رہیا ہے پکڑ — چھوڑانے میں یوسف کیجے توں آگے پڑ
نکو بند توں یوسف کیجے خدمت میں اب — رہے گا تو خشنود ہو تج پو رب

یوسف زلیخا کا مخطوطہ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اس سے یہ نمونہ کلام اخذ کیا گیا ہے۔

مقیمی

از قصۂ ماہ یار و چندربدن تصنیف سنہ ۱۰۹۸ھ

دیوانے کو جب دیر آیا نظر　　خوشی پر خوشی ہوئی کھلا دل اندر
ہوا وقت پوجا اُسی دیر کا　　اُٹھا غلغلہ اُس پری سیر کا
دیوانہ وہاں پر لگا ناچنے　　اُسے دیکھ حیراں ہوئے سب جنے
کہ جب نازپرور وہ نازک بدن　　پوجا کو وہ آئی ہے چندربدن
اسے دیکھ وہ مست رونے لگا　　وہ آنسو کے گوہر پرونے لگا
پری دیکھ اس کو ہے ایسا کہی　　کہ عاشق سچا ہے تو میرا صحی
اسے ہے وہ بولی وفادار تو　　میرا یار عاشق ہے دل دار تو
میرا عشق تونے لیا سر اوپر　　ولے عشق تیرا میرے دل بھیتر
تیرے عشق دل کو کیا دنگ ہے　　ولے آڑ پھرنا مجھے ننگ ہے
دلاسے دے، اسکو ملوں گی تجھے　　جدا تم نہ جانو اپس سے مجھے
تسلی کی خاطر دیوانے کی یار　　تو رہ دلمیں خوش حال اور برقرار
برہ کا وہ آتش سلگنے لگی　　بلا ہو کے وعدہ بلکنے لگی
کہی ہو کہ اے میرے من کے موہن　　لگی دل کو میرے برہ کی اگن
تیرے عشق مجکوں دیوانی کیا　　عقل ہوش سب دھول دہانی کیا

یہ نمونہ سنہ ۱۲۹۰ھ کے مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

عاجز

از قصۂ ملکۂ مصر تصنیف سنہ ۱۱۴۲ھ

کہوں میں ثنا صفت حق کا اول
بنایا ہے یو سب جگت بے بدل

رکھا جن معلق یو ہفت آسماں
چلاتا ہے نوبت زمیں ہور زماں

ڈیاتا ہے او دیس سب نور سوں
کریں دین جو روشن چندر سور سوں

بنایا ہے آدم کوں پانی ستے
اسی دھات پیدا یو خلقت جتے

دیا سب کوں نادر جو تھیاں نعمتاں
فہم عقل و دل جیو ہور یو زباں

سمجھتا ہے یک دلمیں کئے راز کوں
او دانا اچھے جیو آواز کوں

دنیا بیچ او مہرباں کردگار
دھرے دوست دشمن کوں ایکچ کٹھار

نکر فعل خاطر توں اُن کا مدام
دیا رزق ہور نیک کر تو تمام

کرے پرورش اس فضا تھیں گنبھیر
جگت کوں ہے آدھار او دستگیر

نہ جوڑا اسے کوئی امر ہے احد
نہ چہتا اُسے فوج و لشکر مدد

نہ حاجت اسے تخت ہور تاج کا
نہ شاہی کا ساماں ہور ساج کا

کہے کن تو سب اُس تھیں موجود ہو
ہی موجود یک پل میں نابود ہو

بشیر صفت اسکی کیتی کر دیکھائے
کہ دریا کوں مٹکے میں کیونکر سمائے

ہوئے کیوں سبا اس دھات یو حمد پور
کہاں ماپا جاوے گا خورشید نور

سنو اب یو قصہ سب اظہار کر ۔۔۔ کہتے یک شہنشاہ اتھا بخت ور
دہرے نام فیروز سلطان شاہ ۔۔۔ اتھا مصر کے تخت کا بادشاہ
کتی بیٹی نہیں اسکوں فرزند سو ۔۔۔ اچھے شاہ اُسے سات دلبند سو
اُسے ایک دختر سو اچپل اتھی ۔۔۔ چندر سوں بہوت خوب نرمل اتھی
ملیکہ اچھے نام اُس نار کا ۔۔۔ اتھا شور جگ بیچ اُس نار کا
دیسے نار کا مکھ اور خورشید نور ۔۔۔ کتی اچپل نزاکت لطافت میں پور
کیتے دیس بعد از بحکم قضا ۔۔۔ بقا کوں چلیا شاہ بے سب رضا
بڑاں جو وزیراں اتھے خاص و عام ۔۔۔ کئے شاہ کوں دفن خوش یک مقام
سبھی مل وزیراں اپیں کر بچار ۔۔۔ ملیکہ کے سر بادشاہی قرار
بٹھا تخت اوپر پری کوں نچل ۔۔۔ سلاماں کئے ایک دہر تھیں سگل
ڈھنڈورا پھرائے شہر میں تمام ۔۔۔ ہو خوش راج کرتی تھی او نیک نام

ماخوذ از قصۂ ملکہ مصر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ

عشرتی

از مثنوی دیپک پتنگ تصنیف سنہ ۱۱۰۷ھ

غواصی اگر دیکھتا آج کوں ۔۔۔ موتی کی نمن جل میں دبلاج سوں
ہریک شعر کا ہر کسے فام نیں ۔۔۔ سو دکنی کنا کچ میرا کام نیں
اگر فارسی ہو تو امرت پلاؤں ۔۔۔ سحر کر کو کوزے میں سمد کوں بھلاؤں

ہندی جوہراں کا ہے دل آرسی — دکھن میں دھکا دوں اگن فارسی
کروں ساز یوں عاشقاں کا فراق — اچھے راگ دکنی ہور نغمہ عراق
یو تحفہ حسن عشق کا هاں سوں — سو بھیجوں دکن سے خراساں کوں
کہانی کے پردے سے تب منجھار — دیپک ہور پتنگ کا کروں سوز ہار
نہ سٹ عشرتی حرف کوں ٹھول میں — اپی کی گی ہے پاس اگر بھول میں
بچن پانچ رکھو لیکو جیوں راستاں — شروع کرا نگے عشق کی داستاں

صبحدم چلی باؤ کر نوبہار — کھلے پھول بن، بن ہوئے لالہ زار
چلیا صید گہ سیر کرتا نو راج — ہوا دیں کہ یک ہنت میانی دو کاج
سو دہن کھر منے کر سپورن سنگار — شگفتہ ہو بیٹھے چمن بن کے سار
کہ بھتی مکھ اوپر جلوہ گر آرسی — دیکھی عکس زریں بت پارسی

بحری

معاصر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

از مثنوی من لگن تصنیف سنہ ۱۱۱۲ھ

اے روپ ترا رتی رتی ہے — پربت پربت پتی پتی ہے
پربت میں اوک، نہ کم پتی میں — یکساں رہے راس ہور رتی میں
ساگر تو نہ سرسر داں میں ما گا — صندوق میں سور کیوں سما گا

طوفاں تنک سمن کی بو میں — سمد و ریگ آنکھ کے انجو میں
دریا میں صدف ہے لاک بھریا — پن کیوں بھرے بیچ صدف کے دریا
یک بال میں نو فلک بسے کیوں — یک گھر منے دو جہاں دسے کیوں
جُز کل میں چھپے نہ عکس اُسکا — یو بول نہ صاف بل گھنس کا
سب تج میں اگر کہے تو سچ ہے — جوں جل کے میھار کچ ہے مچ ہے

ہر بول میں معرفت کی بانی — سیتا کی نہ رام کی کہانی
تھا پور جو یک بڑا اپٹارا — سو بھاگ نگر میں کھوئے سارا
جے نذر کیا اتھا سکندر — جن چرخ کوں اس دکن کے چندر
کپڑے بھی کیتک جو جوڑ میں جس — تر وار دہری بیتال کی بس
تھے اور بھی یادگار چیزاں — تس پر وہ چُرائے بے تمیزاں
ور نئیں تو یو شعر نا لے جاتے — نا پھاڑ تلاڈ کون دکھاتے
اُس کھوئے پر آ کہے کیتک یار — جی کھا گیا پھر آپ نے ٹھار
اس پنڈ کوں نئیں ہے پائداری — بارے رہے کچ تو یادگاری
دے جس میں اچھے بیان بالا — سنسار کے ہاتھ یک رسالا

جب مج کوں دیا یو گیاں یو گن — تب ہار گندیا یو پھول چُن چُن
بیٹھا ہے جنے اپس کے تیں ہار — یو ہار ہے اُس گلے سزاوار
پامال کیا ہے جن یو دھن مال — اس گلے میں سہاوے یو موہن بال

ہجری تھے یہی کیتک برس تھے — بارا اوپر ایک سو سہس تھے
تب سیس الپس کیا ہے بالا — اس جگ میں یو قدرتی رسالا

ولی دکنی

از روضۃ الشہدا، تالیف ۱۱۱۹ھ

قلم سوں مجلس سیوم میں غم کے — بکھیروں گوہراں درد و الم کے
نبی بعد از بجا نوبت ولی کا — دو جگ میں سرور مرداں علی کا
شہنشاہ ولایت ، علم کا در — منور جس سوں ہے محراب و منبر
سُرج ہے آسمان ہل اَتی کا — صنوبر بوستانِ لافتی کا
درِ خیبر اوکھاڑہ اور بندھیا پل — غزا میں صاحب صمصام دُلدل
جیدھر دلدل ڈٹاتا ہے سو یکتل — سٹا ہے پہلواناں کے کہندل دل
کرے جب حیدری میداں میں نعرہ — ہووے تب دل دلیراں کا دو پارا
نظر اس سور کا جیدھر پڑا ہے — کفر آگے سوں شبنم ہو اوڑیا ہے
جہاں میں جس کی مردی کا آوازہ — سنے پر ہوئے دل مرداں کا تازہ
جہاں کا کفر فانی کر کے سارا — کیا دین محمد آشکارا
صفت کیا کوئی کرے تیغ دوسر کا — دِسے جم اس میں منھ فتح و ظفر کا
محل سر نبی سر خدا کا — دل صافی ہے بیشک مرتضیٰ کا
دیکھے جو جسکے بخشش کا تلاطم — رہے نت خشک لب دریائے قلزم

خطاب اسکوں امیر المومنیں ہے — خدا سوں والی دنیا و دیں ہے
اچھے در دور خاتم بعد خاتم — خدا کے حکم سوں شاہ دو عالم
امام اول از اثنا عشر ہے — فضیلت میں سبھوں سے بیشتر ہے
کہوں کیا فضل میں اس کا کرامت — لکھے ہیں جسکے ہے خاتون جنت
فضایل ان کے تقریر و زباں میں — سماتے نیں ہیں تحریر و بیاں میں
جو کرنا دل یو اب فکر تولد — کروں میں شاہ کا ذکر تولد
کرامت فاطمہ بنت اسد کا — کہوں یا شاہ مرداں سے ولد کا
حمل سوں فاطمہ مولا کے اک روز — طواف کعبہ سے تھے راحت اندوز
جو نکلے آیکایک اس طرف سوں — محمد مصطفیٰ عز و شرف سوں
دیکھے تو فاطمہ کا رنگ ہے زرد — کئے معلوم کرتا ہے شکم درد
کہے اے رکھ اپنا جمع خاطر — ابھی سرّ خدا ہوتا ہے ظاہر
طواف کعبہ جلدی سوں توں کر جا — دھلے ہوئے توں کعبہ بہتر جا
ہوا نزدیک واں جننے کا آثار — ہوئی فی الحال شق کعبہ کی دیوار
گئے ہیں فاطمہ کعبہ منے تو — سو اس پاکیزہ جاگے پر جنے تو
اتھا جو گنج مخفی میں ستارا — ہوا گھر میں خدا کے آشکارا
خدا کا تھا ازل سوں مست و شیدا — ہوا اب وہ خدا کے گھر میں پیدا

ہُنر

از مثنوی نیہ درپن تصنیف سنہ ۱۱۴۴ھ

آلٰہی یا اِلٰہی یا آلٰہی
تجے ساجے جگت کی بادشاہی

تکبر ہور منم ہے تج سزاوار
کہ نیں کوئی دوسرا تج سار کرتار

دکھانے جب منگے قدرت کا توں بل
کرے بھیں گھن پوگھن کوں بھیں کرے تل

رنگ آمیزی کیا صفحہ چمن کا
کہ جیسا کام ہے نازک بدن کا

لکھیا یوں موج کی بھنگ راج جل پر
کہ جیوں درپن اوپر جھلکے ہیں جوہر

جھلک تج ذات سب شے میں ہے بھرپور
ہریک ذرے میں ہے تجھ سور کا نور

ہریک مصرع کہ ہے جیوں پھول ریحاں
میرے آہاں کا ہے وہ عشق پیچاں

بہت محنت ستے کر لہو پانی
کیا اس باغ کی میں باغبانی

بہر حال ہو ویں جو اہل معانی
وہی سمجھیں گے یو نکتہ فشانی

بنایا پھولبن ابن نشاطی
متھی باس اُسکی سب کُچھ تیں خوش آتی

جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن
ہے سچ وہ عشق کے انکھیاں کا انجن

اسے اُتے اگر نا پائے بہتر
برابر تو نہیں جانے نہ کمتر

ہوا تیار جس دیساں میں پھولبن
مصنف تس لکھیا ہجرت کے یوں سن

سن ہجری لے آیا جب پورکھ بار
اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار

ستیا مجھ نیہ درپن نے بوجھل کار
اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار

محبت کی جو ہے عارسس سلگھن
اُنسے ہے رونمایو نیہ درپن

ہوا جب کامل اس کا نظم ہر حال
زمانے نے کیا منج بہوت خوش حال

کہیا تاریخ یو رخ منج رخن کا
یو تو تحفہ مبارک لے ہنز کا

وجدی

از مثنوی پنچھی باچہ ترجمہ منطق الطیر تالیف ۱۱۴۶ھ

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر
حمد سوں حق کے بلند آواز کر

شوق سوں ایسا ادچھا یک چہچہا
جے رہے ترلوک کا عالم ٹہا

گلشن وحدت ہے تیرا آشیاں
احدیت کا راز سب تجھ پر عیاں

وحدت کا ہے تجھے اسرار بار
توچ ہے وحدانیت کا راز دار

توچ جام عشق کا ہے مے پرست
توں لیا ہے لذت جام الست

کیا کہوں اے صاحب شیریں سلوک
جائے تیری بات سنتے پیاس بھوک

تازہ کر اب ٹک زباں توحید توں
دور تر ہر شرک ہر تقلید سوں

پاک دل سوں یاد کر اُس پاک کوں
جن دیا جیو اِس مٹھی بھر خاک کوں

نیستی سوں ہست کیتا یو جہاں
سات طبقاں دہر تری توں آسماں

خالق جاں صانع ہر جزو کل
جسکی پیدائش سوں ہے یو خار و گل

خار بولیں گے تو بے علت نہیں
گل کو دیکھیں گے تو بے حکمت نہیں

دوزخ و جنّت نہیں بے مصلحت   خوب ہے معلوم اس کو اسکی گت

کھول انکھیاں دیکھ یو سب کائنات   کیا سو حیواں کیا جمادی کیا نبات

کیا زمیں کیا آسماں کیا چاند سور   کیا رین کیا دیس کیا ظلمات و نور

فکر کر دیکھے تو کچھ بے کار نیں   نیں ہے او کچھ شے جو تجھ درکار نیں

نا ملے کوئی پات اس کے حکم باج   لیکن اس کو کیتے نیں کچھ احتیاج

نا زن و فرزند اسکوں یا مثال   ملک اس کا بے شریک و بے زوال

ہے منزّہ سب سوں او پروردگار   نا دسے قدرت کا اس کے نت پار

شکر کر وجدی کہ بر وجہ کتاب   ختم ہوئی توفیق حق سوں یو کتاب

اصل میں تھا یو کلام فارسی   اہل معنی کوں مثال آرسی

خوش تریں تصنیف شیخ نامدار   پیشوائے عارفانِ روزگار

شیخ صاحب دل فرید نامور   خاص جن کا ہے لقب عطار کر

او نکالے ہیں گے جوں عطر سخن   عطر پرورده کیئے ہیں یو گگن

ہر سخن یو نکتۂ اسرار ہے   مغز جاں کوں طبلۂ عطار ہے

عارفاں کے پاس وہ استاد ہے   طالباں کے حق منے ارشاد ہے

فکر سوں جو کوئی کیا اس میں نظر   مقصد دیں سوں ہوا دیں بہرہ ور

بخت اگر یاری کرے تو کیا عجب   نا رہے مردار دنیا کی طلب

تھا ولے جو فارسی میں وہ کلام   کوئی سمجھ سکتے نہ تھے اس خاص و عام

گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس   کان تھا مجھے اسکے سمجھنے کا قیاس

لیکن اس کے دیکھ کر دل سوں یو بول   یک بیک جوں دل منے آیا کلول

جے موافق فہم اپنے یو ضعیف
اس کتاب خاص کا نظم شریف

قصد کر دکنی زباں میں لے کے آؤں
تا رہے دُنیا منے میرا ابھی ناؤں

پس مدد منگ شیخ کی ارواح سوں
التجا کر عجز اور الحاج سوں

پس قلم جاری کیا اوراق پر
جب ہُوا پُورا یو نظم مختصر

نام میں اس کا نجھیں باچہ رکھا
یادگاری خلق عالم کو دیا

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں "کیا خاصا کتاب" ١١٢٦ھ

ولی اورنگ آبادی

غزلیات

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ہر زباں پر ہے مثل شانہ مدام
ذکر اُس زلف کی درازی کا

ہوش کے ہاتھ میں عناں نہ رہی
جب سوں دیکھا سوار تازی کا

تیں دکھا کر اپس کے مکھ کی کتاب
علم کھویا ہے دل سوں قاضی کا

آج تیری نگہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

گر نہیں راز فقر سوں آگاہ
فخر بیجا ہے فخر رازی کا

اے ولی سرو قد کوں دیکھوں گا
وقت آیا ہے سرفرازی کا

توں ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجکوں ہے خوباں میں سلطانی ہنوز

ہر جھلک دیتی ہے تجھ رُخسار کی
آرسی کوں درس حیرانی ہنوز

شرم سوں تجھ مکھ کے اے دریائے حُسن
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کوں
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز

حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں
خاتم دست سُلیمانی ہنوز

تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم کے ہاتھ میں مانی ہنوز

روز اول سوں چمن میں حسن کے
نیں ہوا پیدا ترا ثانی ہنوز

اے ولی اُس گلبدن کے عشق میں
مثل بلبل ہے غزل خوانی ہنوز

ہے نازنیں صنم کا زلفاں دراز کرناں
فتنے کا عاشقاں پر دروازہ باز کرناں

دل لے گیا ہے میرا پھر مانگتا ہے جی کوں
برجا ہے نازنیں کوں عاشق پہ ناز کرناں

اے قبلہ رو دیسے ہیں محراب تجھ بھواں کے
واجب ہوا انکھیاں سوں اب جا نماز کرناں

کیوں کر چھپا سکوں میں تجھ درد کی حقیقت
ہے کام آہ دل کا افشائے راز کرناں

ہے منحصر اسی میں عاشق کی سُرخ روئی
خدمت میں گلرخاں کے جی کوں نیاز کرناں

میں عشق سوں کیا ہوں تجھ دل کوں نرم آخر
ہر ایک کا کام نیں ہے دل کو گداز کرناں

ہے پہونچنے کا ساماں کعبے کوں مدعا کے
دیلئے عاشقی میں دل کوں جہاز کرناں

شاید غزل ولی کی لیجا اُسے سناوے
اس واسطے بجا ہے مطرب سوں ساز کرناں

کیا تجھ عشق نے ظالم خراب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

مرے دلکوں کیا بیخود تری انکھیاں نے اے ظالم
کہ جیوں بیہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیال یار بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقی گلفام ہے
جس کی انکھیاں کا تصور بیخودی کا جام ہے

کھولنا زلفاں کا کچھ درکار نیں اے خوش ادا
یک نگاہ ناز تیری دو جہاں کا دام ہے

آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھ کوچے طرف
صبح صادق اُسکے بر میں جامۂ احرام ہے

دل کوں تجھ باج بے قراری ہے
چشم کا کام اشک باری ہے

شب فرقت میں مونس و ہمدم
بے قراری و آہ و زاری ہے

اے عزیزاں مجھے نہیں برداشت
سنگ دل کا فراق بھاری ہے

فیض سوں تجھ فراق کے ساجن
چشم گریاں کا کام جاری ہے

فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں
گرچہ منصب میں وہ ہزاری ہے

عشق بازی کے حق منے قاتل
ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے

آتش ہجر لالہ وش سوں ولی
داغ سینہ میں یادگاری ہے

نکو کر آشنائی غیر سوں اے سیم تن ہرگز
نہوا اے شمع رو ہر انجمن میں شعلہ زن ہرگز
نہ مل مایل ہو ہر طوطی سوں اے شکر شکن ہرگز

نہ مل ہر بلبل مشتاق سوں اے گل بدن ہرگز
ہر ایک گلشن میں جیوں نرگس نہ کھول اپنے نین ہرگز

فصیحاں خلق کے سارے تجھے شیریں بچن کہتے
پشانی روز روشن اور زلف کالی رسن کہتے
مبصر ہر جواہر کے تجھے در عدن کہتے
جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر پلکاں کے کانٹاں پر نہ رکھ اپنے چرن ہرگز

سدا مشتاق ہے طوبیٰ تیرے قد صنوبر کا
تجلی میں ترا یہ مکھ اہے خورشید محشر کا
دہن تیرا سو خیر انجام ہے یہ جام کوثر کا
تو بیشک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا
بجز تجھ روح کے قائم نہ ہو جگ کا بدن ہرگز

تو ہے محبوب عالم کا ولی عالم سوں ہو نکیو
تو محبوباں میں عنقا ہے نکو دکھلا کسی کو رو
جو آتشداں کیا دل کوں لجا داں زلف عنبر بو
بغیر از عید مت دکھلا کسی کوں یہ ہلال ابرو
نہ مہتاب میں بھی کس سوا اے چندر بدن ہرگز

سراج

کہاں ہے گلبدن موہن پیارا
کہ جیوں بلبل ہے نالاں دل ہمارا

بساطِ عشق بازی میں میرا دل
متاعِ صبر و نقد و ہوش ہارا

تغافل ترک کر اے شوخ بیباک
تلطف کر نوازش کر مدارا

سراج اُس شمع رو نے ان دنوں میں
لیا ہے سب پتنگوں کا اجارا

گدائے کوچۂ میخانہ میرے پرستاں ہے
بہارِ گل میں ہر بلبل بشیرے پرستاں ہے

شبِ تاریک میں حاصل ہوا انکو سیر مہتابی
کہ دورِ جامِ مُل بدرِ مُنیرے پرستاں ہے

لب سیں دام زلف عالم گیر ہے
نقشِ پا ہر صید کوں زنجیر ہے

زلفِ مشکیں کوں مطول مت کہو
مصحفِ رُخسار کی تفسیر ہے

کھینچ کر تیغ جفا مت قتل کر
عاشقِ دل خستہ بے تقصیر ہے

جل گیا آخر دل بے کل سراج
تب تو تھا سیماب اب اکسیر ہے

آرزوئے دل سیں جو بسمل ہیں اُس جلاد کے
صبح محشر لگ نہیں ہیں لب کشا فریاد کے

تیشۂ شیریں میں غم کھا کر سلامت ہیں مدام
جاں خراشاں معتقد ہیں مشربِ فرہاد کے

دیدۂ اہلِ نظر گرد کی صورت دیکھ کر
بلبل تصویر سیں ہیں آئینے ایجاد کے

دیکھکر اُس گلبدن کے قامت موزوں کی چپ — صحن گلشن میں اُڑے ہیں فاختے شمشاد کے

جاتا ہے مرا جاں نپٹ پیاس لگی ہے — منگتا ہوں ذرا شربت دیدار کسی کا
سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دو رنگی — دلدار کسی کا ہے، دل آزار کسی کا
زنجیر بھلی، قید بھلی، موت بھی جیوں تیوں — پن حق نہ کرے کس کو گرفتار کسی کا
میں ہوں تو دوانہ، پہ کسی زلف کا نیں ہوں — واللہ کہ رکھتا نہیں یک تار کسی کا

معراج العاشقین

تصنیف خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ

محمد ہور اللہ کے درمیان پردہ باندے۔ اُسے نقاب کبریا بولتے ہیں۔ عرفان کرسی پر محمد کوں سُلائے۔ اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں بُلائے۔ عشق مشاطہ ہوکر عاشقاں کے باتاں معشوق کوں معشوق کے باتاں عاشق کوں سُنائے۔ اللہ سے آواز آیا۔ اے محمد یک لک چوبیس ہزار پیغمبراں میرے طلب میں کیا۔ میں ان کوں طلب نیں کیا۔ تیرا فراق مجھے بہوت ہوا میں تجھے اس راہ ہوکر لیا۔ اپے معراج کیا نشانیاں میں تجے دیتا ہوں۔ ایتاں میریاں باتاں سُن کہ تیری امت کوں میکر بندیاں کوں خبر دیتا ہوں۔

یو سب باتاں نبی علیہ السلام کوں بول کر خاصے کے طبق میں چار کانسے رنگ کو دئے، دودھ، پانی، شہد، شراب، خاصے کا سرپوش اوٹھا کر محمد رسول اللہ کے نزیک بھیجے، اور کہے اے محمد پیو ہور تماری امت کوں بھی پیلاؤ۔ حضرت دودھ پئے۔ ہور عرض کئے، اے میرے خدا میں دودھ کوں قبول کیا۔ کانسے تین کسے دیئوں۔ جبرئیل علیہ السلام خوشحالی کی خبر لیا۔ اے دودھ محبت کا کانسا۔ پانی قطرے کا کانسا۔ شہد شہوت کا کانسا۔ شراب عشق کا کانسا ہے۔

سب رس

مصنفۂ ملا وجہی تصنیف ۱۰۴۴ھ

ایک شہر تھا۔ اس شہر کا ناؤں سیستان۔ اس سیستاں کے بادشاہ کا ناؤں عقل دین و دنیا کا تمام کام اُستے چلتا۔ اُس کے حکم باج ذرا کیں نیں ہلتا۔ اُسکے فرمودے پر جو چلے۔ ہر دو جہان میں ہوئے بھلے۔ دنیا میں خوب کھوائے۔ چار لوگاں میں عزت پائے۔ جان رہے کھڑے۔ واں قبول پڑے۔ نہ آفت دیکھے نہ زلزلہ۔ آپے بھلے تو عالم بھلا کسی کوں برا بولنا یو وسواس ہے۔ بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ آپی چل نیں جانتے۔ دوسریاں پر برا ماتے۔ اول اپنی خبر میں اپی رہنا پیچھے دوسرے کون برا کہنا۔ جنے اپسکوں پیچھانیا۔ ان نے سب جانیا۔ جدھر ڈھلتا ہے۔ اُدھر عقل کے اوجالے میں چلتا ہے۔ آدمی نے عقل چھوڑیا۔ دیوانہ ہویا۔ اپنا سر آپی پھوڑیا۔ عقل میں جو کا کلوت ملتی تو حرمت میں نقصان ہوتا۔ مدعا دور پڑتا۔ دلتے اگر منگت ہے جو دل کو تازہ رکھے مدعا پاوے۔ تو بھلا ہے۔ جو عقل میں کا کلوت نا ملا دے سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک۔ یو پنڈ رہے۔ اگر بجھ میں کچھ سمجھ تو او پنڈ سیک۔ جو کوئی یو چلنت چلتا ہے۔ دو کامل ہوتا ہے۔ روشن طبیعت زندہ دل ہوتا ہے عقل میں کا کلوت جیوں ریشم میں سوت۔ جیوں دود میں چھاچ جیوں باج میں کاچ جو شیرے میں میرا۔ جوں اُجلے زیرے میں

کالا زیرا۔ جنے دل کوں جلایا۔ اُن نے کچھ پایا۔ جے قدم اگے دہریا۔ اُن نے کچھ کریا۔ مردی و نامردی یک قدم ہے۔ مرد کوں یہاں فکر ہے۔ نامرد کوں کیا غم ہے۔ انجانا بچارا بھلا۔ جانتے پر بڑی بلا۔ کا کلوت نے جو دل مرگیا تو پیچھے بچارا کیا کام کرے گا۔ دِل اُس کا جلتا ہے۔ جس میں عشق ہور محبت ہور ہمت ہے۔ جیوں اپی اسیج کا ہے اسپر رحمت ہے۔ جو حافظ بولیا ہے۔ دل کی کھڑکی دروازے کھولیا ہے۔ (بیت)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خاص اچھو یا عام۔ آخر عقل کی حکم سوں لگیا ہے کام۔ اس کے حکم باج کوئی کس کام میں جاوے اپنا کیا اپی پاوے (بیت)

عقل ہے باز دلے باز ہی بلند پرواز

شکار گاہ ہے اُسکا حقیقت اور مجاز

عقل کی دوڑ بہت دور ہے۔ عقل ہی آدمی کھواتی۔ عقل ہی تو عقل تے خدا کو پاتی۔ عقل اچھے تو تمیز کری بھلا ہور برا جاتی۔ عقل اچھے تو اپسکوں ہور دوسری کون پچھانتی۔ عقل تے میر عقل تے پیر۔ عقل تے بادشاہ عقل تے وزیر۔ عقل تے دنیا۔ عقل تے دولت عقل تے چلتی سلطاناں کی سلطنت عقل تے رہتا یو عالم کھڑا۔ جس میں بہت عقل وو بہوت بڑا۔ عقل سوں چلتی خدا کی خدائی۔ جتنی عقل اتنی بڑائی۔ عقل نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا۔ کچھ اپچ نہ ہوتا۔

عقل کے نور تے سب جگنے نور پایا ہے　　　جنے جو علم سیکا سو عقل تے آیا ہے

شمائل الاتقیا

مصنفہ میراں یعقوب۔ تصنیف ۱۰۸۰ھ

حدیث۔ قلب العارف حرم اللہ وحرم ان یلج فیہ غیر اللہ۔ یعنے عارف کا دل سو خدا کا گھر ہے۔ ہور حرام ہے جو دخل کرے اس گھر میں خدا باج دوسرا۔ انیت کے حنا ہور معرفت کے عرفات میں اس تسبیح کرنہاریاں۔ تسبیح یو ہے۔ بیت۔

دل کے کعبے ہور حرم کا تل تل ہے ہمکوں طواف

حاجیاں کرنا رہ اُس کعبے حرم کا توں طواف

حاجیاں جو کعبے کا قصد کرتے ہیں ہور باٹ گھاٹ کا مشقت ہور محنت جو سہتے ہیں۔ سو اس نیت سوں جو گناہ دور ہوئے ہور خدا کی بخشش پاویں۔ عاشقاں دوست کے پانے میں کھونا ہور جیو دنیا خوشی ہور شادی ہے۔ نظم

عاشقاں کا قصد بہتر حاجیاں کے قصد تے

یو لیجائے کعبے کوں ہور وہ لیجائے دوست کتے

عاشقاں ہور عارفاں کو کعبے ہور بت خانے میں مسجد ہور میخانے میں اصل مقصود سو عین مطلب سو خدا چ ہے۔ یعنی اب تو ہر جا گا۔ خدا چ کون

پاتے ہیں۔ کوئی چیز اینو کا حجاب نئیں۔ نظم۔

خواہ کعبے کوں میں جاؤں خواہ جاؤں میکدے

میل منج دل کا اسی کیرے کدہن سارا اچھے

(رسالہ سر اللہ) ایک عام کا کعبہ ہے۔ ایک خاص کا۔ عام کا کعبہ سو ظاہر ہے۔ ہور اس کا دروازہ کھلا ہے۔ خلق زیارت کرنے کا جاگا ہے۔ ہور خاص کا سو باطن ہے۔ اس کا دروازہ بند رہتا ہے۔ تا غیرتے سلامت رہے۔ یعنی بیگانا کوئی نہ آسکے۔ اور خدا کے نور کا زیارت گاہ ہے۔

(رسالہ شمسیہ) کعبے کے باٹ میں جنگل ہور گھاٹ اس واسطے رکھے ہیں جو جانے ہارے جاتے آتے ہیں محنت پاویں ہور چلیں۔ بعد ازاں درست ہور کامل ہوویں۔ اگر اینو بھانچ درست ہور کامل ہویں تو کعبہ اینو کی زیارت کوں آکر درست ہوئے ہور اینو کے گھر کا طواف کرے۔ بی بی رابعہ کے انگے کعبہ آیا سو۔ ہور خواجہ مودود چشتی کے گھر کا طواف کیا سو قصہ مشہور ہے۔

اسرار التوحید

مصنفہ سید شاہ میر راجوتی تصنیف قریب ۱۱۹۰ھ

تمام ثنا ہور صفت ہور سرانا ازل سوں ابد لگ ثابت ہور سزاوار ہے خدائے تعالیٰ کی ذات کوں کہ وہ بے چون وبے چگونہ ہور بے شبیہ وبے نمونہ ہے۔ کوئی چیز اس سریکا نئیں۔ ہور وہ کسی چیز سریکا نئیں۔ یعنی مخلوقات کی صفات ہور

لوازمات سوں پاک ہور منزہ ہور برتر ہے۔

اے عزیز موجود دو وضع کا ہے۔ ایک واجب الوجود۔ دوسرا ممکن الوجود۔ واجب الوجود اُسے بولتے ہیں کہ او خود بخود آپ سوں آپ قائم ہور موجود ہے۔ ہور ہمیشہ تھا ہور ہمیشہ اچھے گا۔ او وجود حق تعالیٰ کا ہے یعنی خدا کی ذات ہور صفات کون واجب الوجود بولتے ہیں۔ ہور او قدیم ہور غیر مخلوق ہے ہور باقی ہور دائم ہے۔

ممکن الوجود او ہے کہ اُس کا اچھنا۔ ہور نا اچھنا برابر ہے۔ یعنی کبی موجود اچھتا ہے ہور کبی نیں۔ او وجود عالم کا ہے ہور حادث ہور مخلوق ہے۔ یعنی اپس سوں آپ نیں بلکہ پیدا کیا ہے ہور نوا ہے۔ ہور فانی ہے۔

معرفۃ السلوک

مصنفہ شاہ محمد ولی اللہ قادری تصنیف سنہ ۱۱۰۹ھ

خدائے تعالیٰ کی صفت اور سرانے کے بعد، اور حضرت رسالت پناہی کے درود و سلام کے بعد کہتا ہے کمترین مرید، اور البس ترین شاگرد، جاروب کش درگاہ عالی، اور بارگاہ لاابالی، عاجز فقیر حقیر محمد ولی اللہ قادری کہ حکم کئے مجکو حضرت شہباز ولایت معدن ہدایت۔ آفتاب عالم تاب، بزرگ اولیا کے بہتے اتقیا کے، صدر نشین، محمد مصطفےٰ کی شریعت کے، دریا حقیقت اور معرفت کے، وارث محمد رسول اللہ کے حضرت شاہ محمد حبیب اللہ قادری

باقی رکھے اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سر اور آنکھوں پر جب تلک کے چمکتا اور جھمکتا ہے کہ کتاب معرفۃ السلوک جو تصنیف حضرت مغفرت پناہی اور شیخ الشیوخ بندہ کے معروف بشیخ محمود بلطف معبود قدس اللہ سرہ کی ہی فارسی زبان سے اسکو ہندی زبان میں بیان کرا اور آیت اور حدیث کے معنی ایک ایک عیاں کر، تاکہ ایسے طالبین حق کے ہیں جو نہ عربی جانتے ہیں اور نہ فارسی پہچانتے ہیں ولیکن اپنے مطلوب کی طلب میں سچے ہیں، اور ظاہرا عالم کی نظر میں کچے ہیں اور اپنے معشوق کے عشق میں آفتاب کے مانند جلتے ہیں اور اپنے محبوب کی بے نیازی دیکھ کر مہتاب کی مثل گھلتے ہیں۔ اور حق کی باتوں کے پیاسے ہوکر حیران اور پریشان اور سرگردان پھرتے ہیں۔ لیکن خضر کہاں ہے جو اس معانی کے پانی کو ان سمجھے لفظوں کی ظلمات سے نکال کر ہندی زبان کے کوزے میں بھر کر ان پیاسوں کے حلق کو تر کرے۔ اور ابدی زندگی بخشے تا وہ اس عاجز کو یاد کریں۔ تجکو لازم ہے جو اس معانی کی عروس کو فارسی اور عربی لفظوں کے خلوت خانے سے باہر نکال کر ہندی زبان کے تخت پر بٹھلا تاکہ ہر عاشق اپنے معشوق کے جمال کی شراب اپنی آنکھوں کے پیالوں میں مالامال بھر کر اپنے دل کے حلق کو پہونچا دے۔ تو اس حکم کو غنیمت جان کر جی سے قبول کیا میں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے منگ کر معانی کے محبوبوں کے چہرے سے حجاب اور نقاب ان سمجھے لفظوں کا دور کیا میں اور آیت اور حدیث کے خوباں کے جمال کو ترجمے کے زر سے آرا بستہ کیا میں۔ تا دلبر اور دلدار ہر عاشق صادق کا ہوئے نور علی نور نظر میں آوے۔

شرح مرغوب القلوب

ہمارے مخدوم مولانا عبدالحق صاحب نے اسے حضرت میران جی شمس العشاق کی تصنیف بتایا ہے جن کا سنہ ۹۰۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ہم نے ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات کے کتب خانہ میں دیکھا ہے اس کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت میران جی خدا نما کی تصنیف ہے۔ یہ بزرگ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر تھے سنہ ۱۰۷۰ھ میں فوت ہوئے ہیں انھوں نے تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی کی شرح بھی لکھی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین۔ سراہنا، نوازنا، خدا کوں بہوت کہ اوپالنہارا ہے عالم کا والعاقبۃ للمتقین ہور خوبیاں دیوے گا۔ پرہیزگاراں کوں، والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔ ہور درود اپنے رسول پر بھیجنا۔ ہور ان کے فرزندان پر، ہور سب امت کے خاصان پر۔

سوا اے عزیز یہ معنی ہے کہ اپس کوں دیکھ کر بندگی کرنا۔ خدا کا صفت بہوت کرنا، بہوت سراہنا۔ بہت نوازنا، جسنے پیدا کیا سب عالم کوں ہمنا کوں عقل ہور دین دیا۔ ہور محمد پر درود بھیجنا ہور الوں کے فرزنداں کوں، ہور سب امت کے خاصاں کوں۔

فہرست کتب

کاروانِ دل

مجموعہ کلام عبرت۔ سہ
نگہ کرم کی زحمت تجھے اب کبھی نہ ہوگی
مجھے راس آگئی ہے تری تلخیٔ تبسّم عبرت

جس طرح شب و روز کی گردشیں زمانے کو آگے بڑھاتی ہیں، اسی طرح مسرّت و شادمانی مصائب و آلام انسان کے تجربات میں اضافہ کرتے ہیں، وہ لوگ جو دنیا میں صرف خوشیوں کے متلاشی ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ اگر دنیا صرف خوشیوں کے لئے ہی تخلیق کی گئی ہوتی تو دنیا میں ہر طرف پھول ہی پھول ہوتے کانٹے اور پتھر نہیں۔ "کاروان دل" میں عبرت الہ آبادی نے تڑپ اور تبسّم کو یکجا کر دیا ہے۔ اُن کے کلام میں جیسے آپ کا دل دھڑک رہا ہو۔ قیمت: تین روپے۔

سلسلہ تعلیم بالغان کی سائنسی و معلوماتی کتابیں

پرواز کی کہانی

ہوائی جہاز کا تخیل انسان کے ذہن میں کب اور کیوں کر پیدا ہوا۔ ہوائی جہاز میں ابتدا سے آج تک کیا کیا انقلاب آئے اور اس کی ترقیوں کے آئندہ کیا کیا امکانات ہیں۔ "پرواز کی کہانی" میں تاریخی اور سائنسی نقطۂ نگاہ سے ہوائی جہاز پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ——————— دو روپے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن۔ سائنس کی حیرت انگیز ایجادات میں ریڈیو اور

ٹیلی ویژن کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، ریڈیو کی مدد سے ہم جس ملک کی آواز سننا چاہتے ہیں ہزاروں میل دور بیٹھے سن لیتے ہیں۔ ترقی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور ٹیلی ویژن کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم صرف آواز ہی نہیں بلکہ بولنے والے کی شکل بھی دیکھ سکتے ہیں اور اس کی تصویر بھی اتار سکتے ہیں، ریڈیو سے جو آواز آتی ہے۔ اس کے نشر کرنے کا کیا طریقہ ہے، اور وہ آواز ہم تک کس طرح پہنچتی ہے نیز ٹیلی ویژن سے تصویر کس طرح لی جاتی ہے، ہر قسم کی مکمل معلومات کا ذخیرہ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ قیمت دو روپے

ہماری غذا

اس کتاب میں روزمرہ کی غذا کا کیمیائی طبیعاتی اور حیاتیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔ ہر چیز میں حیاتین اور غذائیت کی مقدار نہایت تفصیل سے بیان کی گئی ہے ہر چیز کے فوائد و نقصانات سمجھائے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی جسم کو کس کس قسم کی حیاتین کی کتنی مقدار میں ضرورت ہے غرض اس کتاب کا مطالعہ صحت کی حفاظت کا ضامن ہے۔ قیمت: دو روپے

دھاتوں کی کہانی

انسان کی ذہنی صلاحیتیں جس قدر اُجاگر ہوتی جاتی ہیں اسی قدر اس میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہوتا جاتا ہے دھات کی ابتدا کب ہوئی اور کہاں سے ہوئی، دھات سے انسان نے کیا کیا کام لئے، دنیا کے مختلف ممالک میں کون کون سی دھاتیں پائی جاتی ہیں اور کس مقدار میں، نیز ان دھاتوں کو کس طرح اپنے مطلب کا بنایا جاتا ہے اس میں کس قسم کی مشینوں سے کام لیا جاتا ہے۔ مفرد دھاتوں کو مرکب دھاتوں میں کس طرح منتقل کیا جاتا ہے یہ تمام تحقیقی معلومات اس میں بڑی کاوش سے جمع کی گئی ہیں؛

اُردو زبان میں اس موضوع پر کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، اس کے مطالعہ سے آپ ہر دھات کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ قیمت: دو روپے

پرچم کا ہلال جگمگایا یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ شاعر اپنے ماحول کا عکاس ہوتا ہے اس دعوے کی دلیل میں جمیل نقوی کی نظموں کا مجموعہ "پرچم کا ہلال جگمگایا" پیش کیا جا رہا ہے۔ جمیل نقوی کے حساس دل نے اپنی قوم اور اپنے ملک کے انقلابات کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مجموعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، کہ شاعر کی نظر اپنے ماحول کا کس قدر عمیق مطالعہ کرتی ہے اور اپنے جذبات کے اظہار کے لئے کتنا حسین انداز بیان اختیار کرتی ہے۔ قیمت: ایک روپیہ پچیس پیسے

تعلیم الاسلام حضرت علامہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی" بے نظیر تالیف جس کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا لازمی ہے، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، خیرات اور دوسرے تمام اسلامی فرائض وغیرہ کو جس دل نشین اور آسان انداز میں بیان کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ اس کتاب کے سینکڑوں ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں، قیمت: چار حصے دو روپے۔

گلاب کا پھول میلاد مبارک کی وہ مقبول عام کتاب جو طبقہ نسواں میں اتنی ہر دلعزیز ہے کہ اب تک ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک پر اس میں بڑی ہی آسان زبان میں مستند روائتوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہدیہ: ایک روپیہ

خاتون جنت یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی سب سے زیادہ چہیتی

صاحبزادی حضرتِ فاطمۃ الزہرا کی مختصر لیکن بے حد مستند سوانح عمری جس میں آپ کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے تمام واقعہ کو بڑی ہی سلیس زبان میں بیان کیا گیا ہے، ہدیہ: چھ آنے یعنی ۳۷ نئے پیسے۔

خاتم النبیین (مرتبہ ابراہیم العمادی) سیرت پاک پر اپنی طرز کی بالکل نئی کتاب رسول اللہ صلعم کی مقدس زندگی کے سچے حالات، آپ کی تعلیم، معاشرت، رہن سہن، کھانا پینا، بات چیت اور سارے واقعات سادہ اور آسان طریقہ پر نہایت ہی صاف و سلیس اور عام فہم زبان میں مختصر اور جامع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت دو روپے۔

کفر و اسلام مولانا ذوالفقار حیدر ایم۔ اے کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف جو ستیارتھ پرکاش کے چودہویں باب کے جواب میں لکھی گئی اور ان تمام اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے گئے ہیں: جو اسلام پر کئے گئے تھے، بڑے بڑے علما کی رائے ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے

سیدنا حسین بن علی اردو میدان کربلا میں راہ حق میں عظیم الشان قربانی پیش کر کے جو عظیم الشان نمونہ امام عالی مقام نے پیش کیا ہے اس کی پوری تاریخ اسلام میں مثال نہیں ملتی لیکن بحیثیت انسانیت کے بھی وہ کتنے بلند مقام پر تھے۔ اس کتاب میں تفصیلی طور پر اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قیمت: مجلد دو روپے۔

پنجتن پاک (تبسم نظامی) آنحضرت صلعم۔ حضرت علیؓ۔ فاطمہ زہرہؓ۔ حضرت حسنؓ

اور حضرت حسینؑ کی سوانح حیات پر نظم اور نثر دونوں پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد دو روپے پچاس نئے پیسے۔

اسلام کا سیاسی و معاشی نظام (محمد ممتاز عباسی) اس مختصر لیکن انتہائی جامع کتاب میں اسلام کی سیاسی و معاشی بنیادی باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اسلامیات کے طلباء کے لئے یہ ایک بے حد مفید اور کار آمد کتاب ہے۔ قیمت: پندرہ آنے یا ۹۴ نئے پیسے۔

جویائے حق اس میں مولانا شرر نے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو ایسے نئے انداز میں پیش کیا ہے کہ تینوں حصے ختم کرنے کے بعد بھی آپ بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ کاش اس کا چوتھا حصہ ہوتا، ہر حقیقت آپ کے دل پر نقش ہوتی جائے گی۔ عشق و محبت رسول کے مناظر کتاب کے ہر صفحہ میں آپ کے شعور کو بیدار کریں گے جو ایک مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد ہے مولانا شرر کی ایک شاہکار تصنیف کامل تین حصے نو روپے فی حصہ تین روپے،

ایّام عرب (کامل ۲ حصے) طلوعِ اسلام سے پیشتر کا عرب، جب وہاں فسق و فجور، قتل و غارت گری اور ظلم و ستم عام تھے، جب وہاں درندگی اور بہیمیت کا دور دورہ تھا۔ یہ کتاب اسی دور سے متعلق ہے مولانا شرر کی یہ کتاب نہ صرف ایک ناول بلکہ اس زمانہ کے "عرب" کی سچی تصویر ہے، قیمت کامل، پانچ روپے، فی حصہ دو روپے پچاس پیسے

فردوس بریں۔ خدا کی نہیں بلکہ انسان کی بنائی ہوئی جنت، جس میں حوریں

غلمان دودھ جیسی شیریں نہریں اور قدم قدم پر بہاریں رقص فرماتھیں اور جس کا معاوضہ مسلمانوں کا خون تھا، یہ جنت کس نے بنائی تھی؟ کون مسلمانوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، یہ ایک ایسی ہی پُر درد داستان ہے جس کا مطالعہ آپ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ قیمت: مجلد معہ رنگین گرد پوش، قیمت: ۲ روپے ۲۵ پیسے

عزیزۂ مصر محبت کی ایک عجیب تاریخی داستان، جس میں والیٔ مصر غاردیہ ابن طولون کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ اسی محبت کا کرشمہ تھا جس نے خلافت بغداد کی فوج کو مصر کی فوج سے ٹکرادیا اور یہ اسی محبت کی کرم فرمائیاں تھیں جنھوں نے عزیزۂ مصر شہزادی جولیانا کو اپنے عزیز شوہر سے بچھڑنے اور آفات کا شکار ہونے پر مجبور کیا مولانا شرر کا ایک دلچسپ ترین تاریخی ناول، رنگین گرد پوش۔ قیمت مجلد: دو روپے آٹھ آنے یعنی دو روپے پچاس نئے پیسے۔

قیس ولبنیٰ سرزمین عرب کا ایک تاریخی رومان۔ قیس ولبنیٰ کا والہانہ عشق، درد، ٹیس، کسک اور فراق وہجر کی ایک دل آویز داستان۔ آخران کشتگان الفت کو حضرت حسینؓ نے ملادیا۔ تاریخ کا ایک عجیب وغریب واقعہ۔ مجلد معہ رنگین گرد پوش قیمت دو روپے پچاس پیسے

الفانسو "الفانسو" تاریخ کی ایک ایسی محبت بھری داستان ہے جس میں ایک شہزادہ بچپن ہی سے وزیرزادی کے عشق میں مبتلا تھا اور انتہائی قیود اور پابندیوں کے باوجود محبت کے یہ متوالے عجیب عزیب طریقے پر ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے، اس کے باوجود زمانہ کے بے دردہ

ہاتھوں نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ محبت کی اس تاریخی داستان کو مولانا شررؔ نے صفحہ قرطاس کی زینت بنا کر ایک ایسا احسان عظیم کیا ہے جسے اُردو داں طبقہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ قیمت مجلّد مع رنگین گردپوش چار روپے

مقدس نازنین ایک راہبہ کا افسانۂ محبت ایک مسلم نوجوان کی سرگزشت تاریخ کے گم شدہ اوراق کی ایک ایسی داستان جو جتنی زیادہ سنسنی خیز ہے اس سے کہیں زیادہ پُر اسرار شررؔ مرحوم کا یہ ناول ان کے ان ناولوں میں سے ایک ہے جنھوں نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

قیمت: مجلّد مع رنگین گردپوش -/۸/۴ یعنی چار روپے پچاس نئے پیسے

مفتوح فاتح فرانس کی حسین ترین شہزادی مغیثہ اور مشہور مجاہد عثمان کا دلکش لیکن درد انگیز رومان، اس بہادر مجاہد نے اپنے قول کی خاطر اپنی جان دے دی۔ لیکن جیتے جی اپنی محبوبہ اور اس کے باپ پر آنچ نہ آنے دی، آخر محبت کا یہ متوالا محبت پر قربان ہو گیا۔ حق و باطل کی خون آشام جنگ نے اس ناول کو ایک شاہکار بنا دیا ہے۔ مولانا شررؔ کا ایک بہترین ناول۔ قیمت مجلد مع رنگین گردپوش: چار روپے۔

خوفناک محبت محبت کے روحانی پہلو آپ نے بارہا دیکھے ہوں گے لیکن اس کا خوفناک پہلو شاید اب تک آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو۔ محبت اگر ایک طرف ایک سبک خرام ندی ہے تو دوسری طرف ایک اُبلتا ہوا آتش فشاں۔ شرر مرحوم کا یہ شاہکار ناول شاید آپ برسوں نہ بھلا سکیں۔

قیمت: مجلد مع رنگین گردپوش: تین روپے پچاس پیسے

سلطان حسین اینڈ سنز بندر روڈ کراچی

آغا صادق کی شادی

اُردو ادب میں عشقیہ ناول جس قدر لکھے گئے اس میں آغا صادق کی شادی کا جواب نہیں
حُسن و عشق کی رنگینیاں، ہجر و فراق کے سوز و گداز اور زندگی کے رنگین مشاہدے اس داستان کے دو عناصر ہیں، جس سے اس ساری کہانی کو مرتب کیا گیا ہے۔ حسین و خوبصورت گرد پوش کے ساتھ، قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

قتیبہ بن مسلم

اسلامی تاریخی ناول۔ ترکوں کی اس دور کی کہانی، جب وہ حالت کفر میں تھے اور اسلام کی پیش قدمی کو روک رہے تھے۔ مسلم عربوں اور غیر مسلم ترکوں کی جنگ اسلامی اور سچے مجاہدوں کے کارنامے۔ عشق و محبت کی داستان بڑے عجیب پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ قیمت: چار روپے پچاس پیسے

قمر النساء بی۔ اے

زمانے کی ستائی ہوئی ایک حسین اور خوب صورت دوشیزہ کی وہ داستان حیات ہے جسے اس نے خود اپنی زبان سے بیان کیا۔ ذوالفقار الحق صاحب نے اس آپ بیتی کو افسانوی روپ دے کر بے حد دلکش بنا دیا ہے، قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

اختر سلطانہ

وہ اخلاقی ناول جس کو مشہور ادیب سید ذوالفقار الحق نے لکھا اور عادل رشید جیسے فنکار نے پیش لفظ لکھ کر چار چاند لگا دیئے، دلچسپ اس قدر کہ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد جب تک ختم نہ کرلیں چین نہیں لے سکتے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے یا ایک روپیہ پچاس نئے پیسے۔

سلطان حسین اینڈ سنز بندر روڈ کراچی

بچوں کے لئے سائنسی و معلوماتی کتابیں

پرواز کی کہانی :- ہوائی جہاز کا تخیل انسان کے ذہن میں کب اور کیونکر پیدا ہوا۔ ہوائی جہاز میں ابتدا سے آج تک کیا کیا انقلاب آئے اور اس کی ترقیوں کے آئندہ کیا کیا امکانات ہیں۔ "پرواز کی کہانی" میں تاریخی اور سائنسی نقطۂ نگاہ سے ہوائی جہاز پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے قیمت دو روپے

ریڈیو اور ٹیلی ویژن :- سائنس کی حیرت انگیز ایجادات میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ ریڈیو کی مدد سے ہم جس ملک کی آواز سننا چاہتے ہیں۔ ہزاروں میل دور بیٹھے سن لیتے ہیں۔ ترقی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور ٹیلی ویژن کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم صرف آواز ہی نہیں بلکہ بولنے والے کی شکل بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور اسکی تصویر بھی اتار سکتے ہیں۔ ریڈیو سے جو آواز آتی ہے اس کے نشر کرنے کا کیا طریقہ ہے اور وہ آواز ہم تک کس طرح پہنچتی ہے۔ نیز ٹیلی ویژن سے تصویر کس طرح لی جاتی ہے۔ ہر قسم کی مکمل معلومات کا ذخیرہ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

قیمت :- دو روپے

ناشر :-

سلطان حسین اینڈ سنز بندر روڈ۔ کراچی ۲